چراغِ حرف

اگر چراغ بکف ہو کے سب نکل آتے
طلسمِ شب تو کبھی کا بکھر چکا ہوتا

ڈاکٹر سیّد مشتاق مہدی

چراغِ حرف

تالیف : ڈاکٹر سید مشتاق مہدی

المھتاب سریز نمبر ۲

فہرست

اللہ نے تم سے آج کی عبادت مانگی ہے تم بھی آج کا رزق مانگو
نہ اس نے تم سے کل کی عبادت مانگی ہے نہ تم کل کا رزق مانگو

(سید مہتاب حسینؒ نقوی)

جن کی دوسری برسی

۱۴ اگست ۲۰۰۸ء

انتساب

کائنات کی اُس عظیم ہستی کے نام
جس کی دید کو
سارا عالم ترس رہا ہے۔

اے نسیم سحری گر بحضورش گذری
عرضہ دہ شوق کہ در جان فگارے دارم

گفتار مقدم

مہر و وفا کا امین.....دریا چناب.....اور چناب کنارے.....ایک چھوٹی سی بستی.....جاڑیا نوالہ.....اور اس بستی کا ایک معتبر نام.....مولانا سید مہتاب حسین نقوی.....آپ کی شخصیت میں علم و عمل اکٹھے ہو کر یک جان اور یک قالب ہو گئے تھے۔ چھوٹا موٹا پہنتے.....روکھی سوکھی کھاتے.....اور آب و گل کے مکان میں رہتے.....جس میں نہ شمع تھی نہ فانوس.....ظلمتِ شب کو دور کرنے کیلئے ایک ننھا سا مٹی کا دیا ہوتا تھا.....یا پھر چاند کی فیاض کرنیں۔

مروت کردہ شبہا بر تو سیر بام و در لازم
نمی باشد چراغ خانہ ہائے بے نوایاں را

مجھے فخر ہے کہ میں نے مولانا سید مہتاب حسین نقوی کی آغوشِ پدری میں پرورش پائی۔صبر، قناعت، توکل اور تواضع کا درس ان کی سیرت سے لیا تو استقلال و پامردی کا سبق ننھے مٹی کے دیئے سے سیکھا۔اس کی نحیف اور ناتواں لو، ساری رات تیرگیِ شب سے برسرِ پیکار رہتی۔اُدھر ستارہ سحر چمکتا، صبح کاذب صبح صادق کے گلے ملتی، اِدھر ننھا دیا یہ پیغام دے کر بجھ جاتا۔

''اندھیروں کے مقدر میں بقا نہیں، فنا ہے۔ظلمتِ شب کا
شکوہ کرنے سے بہتر ہے کہ اپنے حصہ کا دیا جلا دیا جائے''

میں سنِ تمیز کو پہنچا تو گھر میں اثاث البیت کی قلت مگر کتاب، قلم اور دوات کی

فراوانی دیکھی ۔والدِ محترم اٹھتے بیٹھتے ،سفر میں ،حضر میں، کتاب سے جڑے رہتے ،صبح شام بس ایک ہی مصروفیت ٹھہری یعنی کتاب بینی ۔مطالعہ کبھی خاموشی سے ہوتا اور کبھی اونچی آواز میں ۔اس خیر کثیر میں اکثر مجھے بھی شریک کر لیتے ۔اب جو میرا کتاب سے رشتہ جڑا تو پھر کبھی نہ ٹوٹا ۔کتاب دوستی ،میری ذات کا حصہ بن گئی ۔اس دوستی نے مجھے ایک انمول دولت بخشی ...... یہ دولت ہے درد کی ...... آ گاہی کا درد،شعور کا درد......پھر اس درد نے مجھے ذات کے تنگ دائرے سے نکال کر معاشرے کے وسیع دائرے میں لا کھڑا کیا۔

دل میں وہ درد نہاں ہے کہ بتائیں کس کو
ہاں اگر ہے تو کوئی مُحرمِ اسرار سنے

ذات کا حصار ٹوٹا تو دیکھا کہ چار سو سماجی ناانصافی ،معاشی ناہمواری،طبقاتی تفریق کے خارِ مغیلاں ہیں اور ابنائے آدم آبلہ پائی کیلئے مجبور،ظلم وطغیان کا سورج نصف النہار پر، جبکہ عالم انسانیت بے سائباں اور بے اماں ۔ایسے میں درد کا احساس فزوں تر ہو گیا ۔درد کی کسمساہٹ پہلے لفظوں میں ڈھلی پھر نوکِ قلم پر آئی اور صفحات پر بکھر گئی ۔اور صفحات یہ سوچ کر طبع کرا دیئے ہیں کہ شائد

☆ بے حس خاموشی کے صحرا میں ایک نقش فریادی ثابت ہو
☆ یا پھر شام الم میں اُمیدِ صبح کا ٹمٹماتا ہوا چھوٹا دیا۔

جہانِ تیرہ کی خاموشیوں کے حلقے میں
چراغِ حرف و حکایات لے کر آیا ہوں

میرا ایمان ہے .....قلم باکردار ہو.....تو حرف بے وقار نہیں ہوتے .....قلم کی بڑائی یہ ہے کہ وہ بے غرض لکھے اور سچ لکھے .....راہِ حیات میں مظلوموں کا رفیق اور بے نواؤں کا ہم سفر بنے .....ایسا قلم تیرگی شب میں نور کی شمع .....سنگینیِ ایام میں امید کی کرن ..... اور تلخیِ آلام میں ہمت کا استعارہ .....یہ تعبیرِ حیات میں تاثیر .....تطہیرِ حیات میں تنویر .....اور تعمیرِ حیات میں تدبیر کا ضامن بن جاتا ہے .....اگر مقدس لفظوں کو معجزہ نوکِ قلم میسر نہ آئے تو تفسیرِ حیات کے تینوں رنگ (تاثیر، تنویر، تدبیر) بکھر جاتے ہیں .....
''**چراغِ حرف**'' حق و سچائی کی بارگاہ میں .....قلب و ضمیر کی بارگاہ میں .....تفسیرِ حیات کے انہی رنگوں کو یکجا رکھنے کی ایک سعی ہے۔

قارئین کرام! یہ بتاتا چلوں کہ شاملِ اشاعت تمام تحریروں کی عمریں مختلف ہیں، اسی طرح جس طرح بچوں کی عمریں مختلف ہیں اور ان میں سے بیشتر الگ الگ شائع ہو چکی ہیں۔ اب ان میں مناسب اضافہ کر دیا گیا ہے۔

(۱) ''انتظاریہ'' ۱۹۹۸ء میں وارداتِ قلبی کے طور پر لکھا گیا اور اسے میری وصیت کا درجہ حاصل ہے۔ ملتان سے دو دفعہ شائع ہوا۔ پہلی دفعہ رسالہ ''حضرت حجتؑ امام حسینؑ کی نظر میں'' کے ساتھ چھپا اور پھر ۱۵ شعبان کو یومِ ولادت حضرت ولی العصرؑ کے موقع پر۔ اگلے سال یہ ''انتظاریہ'' ڈیرہ غازی خان کے احباب نے پھر نیمہ شعبان پر چھپوا دیا۔

(۲) ''حضرت حجتؑ ایک نظر میں''، ''حضرت حجتؑ معصومین کی نظر میں''۔ یہ تحریر ۲۰۰۲ء میں لکھی گئی اور ملتان سے نیمہ شعبان کو یومِ ولادت حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کی مناسبت سے چھپوائی گئی۔

(۳) ''غیبتِ امامؑ اور ہماری ذمہ داریاں'' یہ ایک لیکچر ہے جو اولین طور پر جام پور میں حضرت امام زمانہؑ کے حوالے سے ایک پروگرام میں دیا گیا۔ غالباً ۲۰۰۴ء کی بات ہے بعد میں موضوع کی افادیت کے پیشِ نظر دوسری جگہوں پر بھی یہ لیکچر ہوا۔

(۴) ''انتظارِ امام اور تشکیل کردار'' یہ بھی ایک لیکچر ہے جو ملتان میں ۲۰۰۳ء میں دیا گیا۔

(۵) ''اسلامی معاشرہ قرآن وعلیؑ کی نظر میں'' یہ مقالہ پیام علی کانفرس منعقدہ ۲۰۰۵ء ملتان میں پڑھا گیا اور ڈیرہ غازی خاں کے احباب نے شہید ڈاکٹر ثریا نثار کے ایصالِ ثواب کی غرض سے چھپوا دیا۔

(۶) ''سلامتی کا سفر راستہ اور راہنما'' یہ مقالہ ۱۹۹۶ء میں لکھا گیا۔

(۷) ''اسلامی ثقافت میں عورت کا کردار'' ۲۰۰۴ء میں ایک پروگرام ''یک شب بنام زہراؑ'' یوم ولادت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی نسبت سے ملتان میں ہوا۔ یہ مقالہ اس پروگرام میں پڑھا گیا۔ پسندیدگی کے پیش نظر لاہور سے چھپا مگر ایک اور نام سے منسوب ہو گیا۔

(۸) ''نماز ایک تربیتی دستور'' یہ مضمون ۲۰۰۷ء میں لکھا گیا۔

(۹) ''مالکم ......؟'' جلتے بلتے حالات پر تازہ ردعمل ہے۔

تشکرو امتنان :

اس کتاب کی تیاری میں دو ہستیاں میرے خصوصی شکریے کی مستحق ہیں :

۱۔ **مولانا بشیر احمد خان صاحب:**

تقریباً ہر لیکچر یا مقالے کے بعد ان کی یہی رائے تھی کہ اسے چھپنا چاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ رائے اصرار میں بدلی تو میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اور اب کتابی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں عربی عبارات اور آیات کی اصلاح اور درستگی کی

ذمہ داری انہوں نے انتہائی اخلاص کے ساتھ نبھائی۔

۲۔ **سید ارشد علی نقوی صاحب:**

ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۸۶ء میں ہوئی۔ تو اس وقت تک خانوادۂ سادات کے اس گلِ سرسبد کی فکری راہیں متعین نہیں ہوئی تھیں۔ رفاقت کے نتیجے میں ذوق کی راہیں اور شوق کی منزلیں بدلیں، ہدفِ حیات واضح ہوا، راہِ عمل متعین ہوئی پھر قدم یوں تیزی سے بڑھے کہ کہا جا سکتا ہے:

لِمِثْلِ هٰـذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْن (سورہ صافات ۶۱)

عمل کرنے والوں کو ایسی کامیابی کیلئے عمل کرنا چاہیے

مسلسل عمل اور حسنِ عمل سے اس درجے تک پہنچے کہ دیکھنے کیلئے سر کو بہت حد تک کشیدہ کرنا پڑتا ہے۔ خدا انہیں ہمت، طاقت، استقلال اور ثبات عطا کرے۔

التماس:

قارئین! اگرچہ ۱۴۔ اگست ہماری قومی زندگی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے مگر یہ دن میری ذاتی زندگی میں مزید دو وجہوں سے بہت اہم ہے۔

☆ یہ دن میرے بڑے بیٹے محمد علی رضا مہدی کا یومِ ولادت ہے۔

☆ یہ دن میرے والدِ محترم مولانا سید مہتاب حسین نقوی کا یومِ وفات ہے۔

اب جہاں آپ سے والدِ محترم کیلئے دعائے مغفرت کیلئے ملتمس ہوں وہاں اپنے اس بیٹے کیلئے خصوصی دعاؤں کا طالب، کہ میں اب کبھی اس کی سالگرہ نہ منا سکوں گا۔

۲۰۰۴ء سے لے کر ۲۰۰۶ء تک ہمارے خاندان کے چنیدہ اور پسندیدہ افراد

نے وادیءِ حیات کو یکے بعد دیگرے طے کیا

۷ فروری ۲۰۰۴ء کو عمِ مکرم سید غلام شبیر شاہ،

۳ جولائی ۲۰۰۵ء کو ماموں سید محمد رمضان شاہ،

۱۶ ستمبر ۲۰۰۵ء کو بہنوئی سید کرم حسین شاہ،

۱۴ اگست ۲۰۰۶ء کو والدِ محترم،

وادیءِ حیات کے اس پار چلے گئے۔ پھر میرے انتہائی مہربان اور بزرگ دوست سردار نصیر احمد خان ملغانی، سردار عاشق حسین خان مگسی، اور مہر ملازم حسین خان سیال بھی انہی راہروانِ تیز گام میں شامل ہو کر ہم سے بچھڑ گئے۔ یہ سب اپنے بارے میں نہیں میرے بارے میں زیادہ سوچتے اور مجھ سے زیادہ میرے بارے میں متفکر رہتے۔ ان کے شوقِ سفر کو دیکھ کر سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا

آئے دن رختِ سفر باندھے ہوئے جاتے ہیں لوگ

اب کہاں تک امتحانِ دیدۂ پُرنم کریں

روشنی بجھتی چلی جاتی ہے مہر و ماہ کی

مرنے والوں سے کہو! شوقِ سفر مدھم کریں

اگرچہ زندگی تغیرات اور حوادث سے عبارت ہے مگر ۲۰۰۶ء کے حادثے نے غموں کو دوچند کر دیا۔ اس حادثے نے اولادِ علی کے بارے میں روّیوں سے متعلق میرے تاریخی شعور کو پختگی عطا کی.....ناروا روّیے.....باتیں.....اور گھاتیں.....شاید لوگوں کے ہاں اچھے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے.....لیکن ہمارے ہاں تو دعائیہ کلمات

با فراط موجود ہیں.....لہٰذا ذہنِ زخم سے قریہ والوں کیلئے اب بھی دعا نکلتی ہے۔

بارِ الٰھا !تو نے ''سبا''والوں کیلئے اپنی لاریب کتاب میں فرمایا

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَافِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا

فِيْهَا السَّيْرَ، سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّاماً اٰمِنِيْنَ (سباء ۱۸)

''اور ہم نے ان کے اور جن بستیوں کو برکت سے نوازا تھا، کے درمیان

چند کھلی بستیاں بسادیں ۔اور ان میں سفر کی منزلیں متعین کر دی

ان میں راتوں اور دنوں میں امن کے ساتھ سفر کیا کرو۔''

اے میرے پروردگار! اس بستی جاڑیا نوالہ اور اس میں رہنے والوں کو اپنی برکت سے نواز، اس میں سفر کی منزلوں کو آسان بنا، اس کی راتوں اور دنوں کو امن عطا کر

اے رحیم وکریم پروردگار! یکم رجب المرجب کی صبح کو سطروں کی یہ امانت قرطاس کے حوالے کر رہا ہوں ۔آج کے مبارک مولود فرزندِ رسولِ امین حضرتِ امام محمد باقر علیہ السلام کی برکت سے میرے خیالوں کو لفظ .....لفظوں کو معانی.....معانی کو تاثیر .....اور تاثیر کو شوکت عطا کر۔

جہالتوں کے نگر میں اُداس پھرتا ہوں

کوئی قلم کوئی کاغذ کوئی کتاب تو دے

والسلام

یکم رجب المرجب ۱۴۲۹ھ ۵ جولائی ۲۰۰۸ء

حرفِ مدعا

آج کے مصروف ترین دور نے انسان سے فراغت کے لمحے چھین کر وادیٔ عدم کی جانب روانہ کر دیئے ہیں۔ اور اب حالت یہ ہے کہ انسان اس متاعِ عزیز کے تعاقب میں خود بھی عدم آباد کے رستے پر رواں دواں ہیں۔ عدیم الفرصتی نے اس کو آسائشات کے انبار میں دبا دیا ہے اور حالت یہ ہوگئی کہ امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کے فرمان کے مطابق کہ "میں انسان کی اس حالت پر تعجب کرتا ہوں کہ اپنے پاس سے حقیر سی چیز گم ہونے پر تلاش کرتا ہے۔ مگر اپنے آپ کو کھونے کے باوجود تلاش نہیں کرتا۔" اور بقول اقبال

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت

احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

یقیناً خالقِ انسان، اس کے پیش آمدہ معمولات سے آگاہ تھا اور ہے۔ تب ہی اس رحیم و کریم اللہ نے جسمِ انسانی کو ایک عضو ایسا مرحمت فرمایا جو باوجود جسمانی تکان کے اپنے رفیق کار کی مصروفیت میں رکاوٹ نہیں بنتا اور وہ عضو ہے "دماغ"۔ جو عقلِ انسانی کو سوچنے کے عمل سے نہیں روکتا اور یہی وصف ہے جس کے سبب بہت سی انسانی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ مگر چند مشکلات ایسی ہیں جن کا حل ممکن نظر نہیں آتا۔ میں بھی اس لمحے ایسی ہی مشکل سے دو چار ہوں کہ برادرِ گرامی نے اپنی تالیف کے بارے میں رائے دینے کے لئے فرمایا ہے۔ اور مشکل یہ ہے کہ آج اس بات کا رواج ہے کہ اظہارِ خیال میں جا و بے جا تعریف و توصیف کے چند رسمی جملے لکھ دیے اور بس یہی تبصرہ کہلایا او رتنقیدی امور میں روحِ مضمون کی بجائے

الفاظ کی تنقیح وتوضیح ناقدانہ ماہرانہ رائے ....جبکہ میری مشکل یہ ہے کہ بے جا تعریف وتوصیف کی عادت نہیں اور دوستوں پر تنقید مزاج نہیں ۔لہذا کوشش ہے کہ فرصت کی عدم دستیابی کے باوجود ایک مقدماتی تحریر لکھوں ۔ و ا للہُ المستعان

انسان اور کتاب کا رشتہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود حضرتِ انسان ۔ کیونکہ کاغذ کے ایجاد ہونے سے قبل پتوں ،لکڑی کے تختوں ، پتھروں اور ہڈیوں پر تحریر کے شواہد تاریخ میں ملتے ہیں ۔خداوند کریم نے بھی انسان کی ہدایت کیلئے چار ہدایت نامے بعنوانِ کتاب ہی نازل فرمائے ۔جن کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی نجات کو یقینی بنا سکتا ہے ۔ ہر انسان مصنف ہے اور بے خبری یا باخبری کے عالم میں اپنی تصنیف مکمل کر رہا ہے ۔اور دو فرشتے بعنوان ''کراماً کاتبین''اس کی معاونت کرتے ہیں اور یہ باعزت لکھنے والے ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتے ۔بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس ستارالعیوب اللہ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ انسان کے ایک گناہ سے واقف ہونے والا معصوم کاتب اس کے دوسرے گناہ سے باخبر نہ ہو ۔لہذا وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ انسان دوسرے انسان کی پردہ دری کرے ۔اس نے دن اور رات میں لکھنے والے فرشتوں کو الگ الگ قرار دیا ۔یعنی دن اور رات میں چار فرشتوں کو انسان کی کتابِ زندگی کی تصنیف میں معاون قرار دیا ۔حتی کہ جو فرشتہ ایک دن میں معاون رہا وہ زندگی بھر دوبارہ معاونت کیلئے حاضر نہیں ہوگا ۔ پس ایک سال میں ۱۴۶۰ فرشتوں کی مدد سے یہ انسان اپنی کتابِ زندگی کے ۳۶۵ صفحات پر کردار کے قلم سے اپنی سرنوشت تحریر کرتا ہے ۔اور ایک دن اس کتاب کا آخری صفحہ تحریر کر کے بند کر دیتا ہے ۔اور یوں یہ تصنیف تجزیہ وتحلیل کیلئے بروزِ قیامت عدالتِ الٰہی میں پیش کر دی جائے گی اور حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو میزانِ

عمل قرار دیتے ہوئے ہر شخص کو اپنی کتاب خود پڑھنے کا کہا جائے گا اور اس دن اس کی نظر بہت تیز کر دی جائے گی اور پھر یہ کتاب انہی پاکیزہ میعارات کی روشنی میں کسی کو دائیں ہاتھ اور کسی کو بائیں ہاتھ جبکہ کسی کو پسِ پشت دی جائے گی۔ یوں سمجھئے کہ مہد سے لحد تک ہی انسان کا ساتھ کتاب سے نہیں بلکہ لحد سے یومِ نشور و بعدِ نشور انسان اس ہی سے وابستہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی بزرگ ترین کتاب قرآنِ مجید میں لفظ کتاب کے کئی ایک مفاہیم بیان کئے گئے ہیں۔

خوش قسمت ہیں وہ افراد کہ جنہیں کتاب و کتابیات سے محبت ہے اور انہی کی مانند افراد کیلئے ہی کتاب بہترین دوست ہے۔ تصنیف و تالیف کیلئے ذوقِ مطالعہ لازمی ہے اور ذوقِ مطالعہ تب جلا پاتا ہے جب انسان علم کی ضرورت محسوس کرے۔ ہمارے ہاں ضرورت کا علم تو حاصل کیا جاتا ہے۔ مگر علم کی ضرورت کو تا حال درک نہیں کیا جا رہا۔

ہمارے ہاں بہت سی اصطلاحات کا استعمال بھی غلط کیا جاتا ہے اور حقیقی مفہوم تک رسائی کا علم حاصل نہیں کیا جاتا۔ اشیاء کو معانی کا لباس دینے کیلئے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کسی چیز کا وجود اس کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔ اور اس چیز کی حقیقت اس کے وجود سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے۔ مثلاً ''نماز'' یہ چار حروف (ن، م، ا، ز) سے بنا ہے۔ نماز کا وجود ان الفاظ سے خوبصورت ہے اور حقیقتِ نماز یعنی اللہ سے رابطہ، اپنے رب سے ملاقات ایک خوبصورت ترین تصور ہے، کبھی مفہومِ نماز کا یہ انداز بھی سوچئے۔ ہر ملاقات کا اختتام سلام سے ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نماز کا اختتام بھی سلام سے کیا جاتا ہے۔ علیؑ مولا کے اس فرمان پر غور کیجئے کہ ''مجھے جنت میں بیٹھنے سے مسجد میں بیٹھنا زیادہ پسند ہے کہ جنت میں بیٹھنے سے میرا نفس خوش ہوگا اور مسجد میں بیٹھنے سے میرا رب خوش ہوگا''۔ اسی حقیقت

کے ادارک کوامیر المومنین علیہ السلام عمیقِ فہم قرار دیتے ہیں۔حقائق کو جاننے کیلئے فقط معلومات کافی نہیں بلکہ تعقل ،تدبر انتہائی اہم ہے ۔قرآنِ مجید نے بار ہا تدبر وتعقل کی دعوت دی ہے۔قرآن پاک اور معصومینؑ کے فرامین میں علم اور حکمت کے بیش بہا گوہر موجود ہیں ۔ ان میں سے الفاظ کے موتی سمیٹنے کے ساتھ ساتھ حکمت ومعرفت کے گراں بہا لعل اور حقیقت کے دُرِ نایاب چننے کی ضرورت ہے ۔اور جب انسان پر حقیت منکشف ہوتی ہے تو ہزار ہا راز ہائے سر بستہ کھلتے ہیں ۔

مگر کیا کیجئے کہ دوستی اس دنیا کا ایسا رشتہ اور تعلق ہے کہ اس پہ ہزار ہا تعلق قربان ہو سکتے ہیں ۔جب انسانوں پر اس کی حقیقت منکشف ہو جائے ۔............؟اور حقیقتِ دوستی یہ ہے کہ فقط اللہ کیلئے تعلق استوار ہو ۔مگر آج کل تعلق ،دوستی ،محبت ،نفرت سبھی کچھ اپنی خواہشات سے متاثر ہو کر کیا جاتا ہے ۔جبکہ نبی کریمؐ اور حضرتِ امام صادقؑ ہر دو سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

''اپنی خواہشات سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنے دشمن سے ڈرتے ہو۔کیونکہ انسان کیلئے خواہشات کی پیروی اور زبان کے نتائج سے بڑا کوئی دشمن نہیں ۔'' (اصول کافی جلد ۲)

انسانی زندگی کے نتائج مثبت یا منفی ہونے میں ،انجام کے نیک و بد ہونے میں خواہش بنیادی کردار ادا کرتی ہے ۔یہی خواہش انسان کو ایک متحرک اور فعال کردار ادا کرنے پر مہمیز کرتی ہے ۔اور یہی خواہش انسان کو سست اور ناچار بھی کر دیتی ہے ۔خدا تعالیٰ نے انسان کو متحرک اور فعال رکھنے کیلئے اور علم وکمال کی طرف راغب کرنے کیلئے کچھ محرکات قرار دیے ہیں ۔انسان کی تمام اِرادی اور غیر اِرادی حرکات انہی کی مرہونِ منت ہیں ۔ان میں

خواہش اہم ترین محرک ہے۔اس کے علاوہ

۱۔ فطرت ہے جس کے ذریعے انسان خدا شناسی کے علاوہ عفت و رحمت، وفا اور اخلاق کی جانب سفر کرتا ہے۔

۲۔ ارادہ بھی ایک محرک ہے۔ کہ کام کرنے یا نہ کرنے کا انحصار اسی پر ہے۔

۳۔ عقل، اس سے انسان حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔حق حاصل کرنے، باطل کو نابود کرنے کی طرف رغبت کرتا ہے۔

۴۔ ضمیر، کہ یہ عدل و انصاف کیلئے باطنی آواز ہے تا کہ انسان حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

۵۔ قلب، یہ علم و معرفت کا اہم دروازہ ہے۔خدائی احکام اسی پر القاء ہوتے ہیں۔ (یہ اخلاقِ اسلامی کا اہم ترین موضوع ہے جس کا خصوصی مطالعہ درکار ہے۔)

ہم دیکھتے ہیں علم، عمل اور خواہشات، تمام کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔لہٰذا اس دنیا کا فہم بھی لازمی شے ہے۔اور آپ جانتے ہیں کہ ایک ظاہری دنیا ہے اور دوسری باطنی دنیا۔ دنیا کا ظاہری چہرہ مکر و فریب کا چہرہ ہے اور یہ چہرہ انسان میں دنیا کی محبت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔اور باطنی چہرہ ذریعہ بصیرت بھی ہے اور باعثِ عبرت بھی۔یہ دنیا سے بے رغبتی کا باعث ہے۔لہٰذا دنیا کا ظاہری چہرہ مذموم اور باطنی چہرہ ممدوح ہے۔اصل بات یہ نہیں کہ دنیا کے دو چہرے ہیں۔درحقیقت دنیا کا ایک ہی رخ ہے۔دو انداز اس کو دیکھنے، اس کا فہم حاصل کرنے اور اس کے بارے رویوں سے متعلق ہیں۔ورنہ اس کی حقیقت ایک ہی ہے۔ اگر عبرت کی نگاہ ہو تو دنیا ممدوح، فریب خوردہ نظر ہو تو مذموم .... دنیا کے ظاہری

رخ کے بارے میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

۱۔ دنیا نقصان کا بازار ہے۔

۲۔ دنیا اہلِ عقل کیلئے میدانِ جنگ ہے۔

۳۔ اہلِ عبرت کیلئے ہنسی ہے۔

۴۔ دنیا ذہین لوگوں کی طلاق شدہ بیوی ہے۔

۵۔ دنیا شر و فساد کا معدن اور دھوکے کی جگہ ہے۔

۶۔ دنیا کسی پینے والے کیلئے شفا اور کسی ہم سفر کیلئے باوفا ساتھی نہیں۔

۷۔ دنیا ایسی کھیتی ہے جہاں شر و فساد کاشت ہوتا ہے۔

۸۔ دنیا اشقیا کی آرزو ہے۔

۹۔ دنیا دوسروں کے حوالے کر دیتی ہے۔

۱۰۔ دنیا ذلیل کر دینے والی ہے۔

(یہ تمام احادیث "غرر الحکم" سے ماخوذ ہیں)

دنیا کا ایک رخ انتہائی زیبا ہے اور وہ اللہ تک پہنچاتا ہے۔ خدا تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بھی یہی دنیا ہے۔ یہ اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے۔ یعنی یہ آخرت اور الٰہی منزل تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اور وسیلے کو مقصد قرار دینا انتہائی نادانی ہے۔ اصول کافی میں حضرت صادق آلِ محمدؐ نے امیر المومنینؑ کا قول بیان فرمایا ہے جو کہ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۳۸ پر موجود ہے۔

" اے ابنِ آدم اگر تو دنیا سے بقدرِ ضرورت کا خواہاں ہے تو جو تھوڑا بہت تیرے پاس ہے وہی کافی ہے۔ اور اگر تو اتنی مقدار کا خواہاں ہو جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے تو پھر

جو کچھ بھی دنیا میں ہے تیرے لیے ناکافی ہے۔"

علیؑ مولا نہج البلاغہ میں خطبہ نمبر ۶۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا ایسا گھر ہے جس میں سلامتی کا سامان اسی کے اندر کیا جا سکتا ہے۔اور کوئی چیز وسیلہ نجات نہیں ہو سکتی جو دنیا ہی کیلئے ہو۔لوگ دنیا کے ذریعے آزمائے جاتے ہیں۔جو لوگ دنیا کا سامان دنیا ہی کیلئے حاصل کرتے ہیں وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور پھر حساب بھی دینا ہوتا ہے۔اور جو لوگ یہاں سے وہاں کیلئے حاصل کرتے ہیں وہ وہاں (آخرت میں) جا کر پالیں گے اور اسی میں مقیم ہو جاتے ہیں۔یہ دنیا دراصل صاحبانِ عقل کی نظر میں سایہ ہے۔جو دیکھتے دیکھتے سمٹ جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے کم ہو جاتا ہے۔"

پس میرے دوست یہ دھیان رہے کہ دنیا مقصد نہ بننے پائے۔اگر انسان نے دنیا کو وسیلے کی بجائے مقصد بنالیا تو ہرگز نجات حاصل نہیں کر سکتا۔کیونکہ انسان اگر دنیا کو قربِ الٰہی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بنانے کی بجائے دنیا ہی کی خاطر اپناتا ہے تو یہ اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے اور اللہ سے غافل کر دیتی ہے۔یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ فرق مقدار اور کمیت کا نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ہے۔زیارتِ امام حسین علیہ السلام سے متعلق دعا کے ایک جملے پر بات کا اختتام چاہوں گا کہ

اے اللہ "کثرتِ دنیا سے میرے قلب کو مشغول نہ کر دینا کہ اس کے عجائبات مجھے تیری یاد سے غافل کر دیں یا اس کی زیبائش مجھے اپنے فریب میں لے لے۔اور نہ دنیا میں میرا حصہ اتنا کم کر دینا کہ میرے اعمال متاثر ہو جائے اور میرا دل اسی کے ہم و غم میں مبتلا رہے"

(بحار الانوار)

اصل معاملہ مرضی خدا کو اپنی ذاتی خواہشات و معیارات پر ترجیح دینے کا ہے اور یہی

اسلام کی فکری اساس ہے۔انسان کو اپنے محسنین کا شکر گذار رہنا چاہیے کیونکہ حدیث میں یہ بات بھی ہے کہ ''جو لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا'' شاید اسی لیے والدین کی تعظیم کے لئے بہت سی ہدایات موجود ہیں۔جس کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ والدین اولاد کی ظاہری و باطنی، دینی اور روحانی ضروریات پورا کرتے ہیں۔مگر آج کل کے ماحول میں اولاد،والدین کے زیرِ تربیت رہتی ہی کہاں ہے؟

نظامِ تعلیم نے وہ طریقہ اختیار کیا کہ والدین اور اولاد میں ایک خلیج ہے جو وسیع سے وسیع تر ہو رہی ہے۔لیکن شکرِ خدا ہے کہ ہمارے ہاں دینی تنظیموں کا ایک مؤثر سلسلہ موجود ہے جو افراد کی فکری اور نظریاتی اصلاح کا کام سرانجام دیتا تھا اور دے رہا ہے۔لہٰذا ہم اگر آج معاشرہ میں دین کی تڑپ اور دینی امور سرانجام دینے کی پیاس محسوس کرتے ہیں تو یہ نتیجہ انہی تنظیموں کے عمل کا ہے جو معاشرے میں مشکلات کے باوجود عملِ تربیت انجام دے رہی ہیں۔یہ بھی ہمارا معاشرتی المیہ ہے کہ ہم انہی اِداروں سے اپنی ابتدائی تعلیم اور فکری غذا حاصل کرنے کے باوجود یہ احساس رکھتے ہیں یہ اِدارے کوئی قابلِ ذکر کام سرانجام نہیں دے رہے۔میرا خیال میں یہ ہماری سوچ کی گھٹن اور حقائق سے نظریں چرانے کا نتیجہ ہے۔ اسی بناء پر آج معاشرے میں مختصر سی تعداد ان افراد کی موجود ہے جو ان اِداروں سے شکوہ کناں ہیں۔مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ خود ان کا وجود بھی ایک لحاظ سے انہی اِداروں کا ثمرہ ہے۔اور کسی نہ کسی مقام پر ایسی صورتحال موجود ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ جن افراد نے ان اِداروں سے تربیتِ دینی حاصل کی وہ یا تو ایک عمومی لہر کے تحت اس سے انکاری ہو گئے یا پھر انہوں نے خود کو اِدارہ سمجھتے ہوئے اپنے وجود کو ان اِداروں سے الگ کرلیا ہے۔

اس طرح فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اداروں کے طریقہ کار اور فرد کے طریقہ کار میں فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھے بغیر جو بھی بات ہو گی وہ حقیقت سے دور ہو گی۔ آج معاشرے میں معتد بہ تعداد افراد کی موجود ہے۔ جو ڈاکٹرز، انجینئرز، پروفیسرز جو پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی حاصل کر چکے ہیں مگر وہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی اداروں اور ان میں کام کرنے والے افراد یعنی اساتذہ ان مناصب تک رسائی حاصل نہ کر سکے جن تک ان کے شاگردان یا ان سے تربیت حاصل کرنے والے پہنچ گئے۔ اب اگر یہ افراد کہیں کہ ہم اپنے ذاتی اوصاف کی بناء پر کہاں سے کہاں پہنچ گئے مگر یہ اساتذہ ہنوز پی ٹی سی، ایس ایس ٹی یا لیکچرر کی سطح پر ہی ہیں انہوں نے کیا کیا..................؟ تو اس بات کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ ادارے جو آج آپ کی نظر میں کوئی با اہمیت کام انجام نہیں دے رہے اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو آپ بھی شاید معاشرے میں کسی اور مقام پر ہوتے۔ یہ فکری اور عملی صلاحیت انہی اداروں کے دم قدم سے آپ میں موجود ہے۔ ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ ان شکوہ کناں افراد نے اپنی ترجیحات قدرے بدل لی ہیں اور ذات میں محصور ہو گئے ہیں اور یا پھر اداروں سے منہ موڑ کر کسی اور شے کو اپنی منزل قرار دے لیا ہے۔ وگرنہ اس راہِ خدا میں کام کرنے والے ماسبق افراد جو ہمارے لیے ایک مثالیے کی حیثیت رکھتے ہیں (میری مراد گروہِ انبیاء و آئمہ و صلحاء ہے) نے کبھی بھی نہ اپنے عمل کی جہت بدلی اور نہ ہی معذوری اظہار کیا۔ اگر آج بھی یہ زیرک اور دانا افراد انفرادی عمل کی بجائے اجتماعی عمل کے دھارے میں آئیں تو معاشرہ ان کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ اصل معاملہ مرضی

خدا کو اپنی ذاتی خواہشات و معارات پر ترجیح دینا ہے.................

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا

اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

الحمد اللہ برادر ڈاکٹر سید مشتاق مہدی کہ جن کی تالیف **چراغِ حرف** اس وقت میرے پیشِ نظر ہے ۔ برادرم کی ذات کے حوالے سے اپنے تعلق کا اظہار کرنا میرے بس کی بات نہیں بلکہ اب تو وہ میری ذات کا حصہ بن چکے ہیں ۔ ان سے میرا تعلق فقط اتنا ہے جتنا خود اپنی ذات سے.................

۱۴ ۔ اگست ۲۰۰۶ء کو آپ کے والدِ گرامی مولانا سید مہتاب حسین نقوی خلد آشیانی ہوئے ۔ آپ ایک وضع دار عالمِ دین تھے اور اپنی ذات میں انجمن.............ان کی پہلی برسی کے موقع پر برادرم نے مرحوم کے مضامین کا مجموعہ بعنوان ''المہتاب'' شائع کرایا اور اب دوسری برسی پر اپنے مضامین کا مجموعہ بعنوان **چراغِ حرف** چھپوا رہے ہیں ۔ اصلاحی و مذہبی اشاعتوں کا یہ سلسلہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قابلِ تعریف جہت ہے ۔ اور اس مجموعے کے اکثر و بیشتر مضامین موصوف نے امامیہ آرگنائزیشن پاکستان، ملتان و ڈیرہ غازیخان کے مختلف پروگراموں میں پیش کئے ۔ اگر امامیہ آرگنائزیشن پاکستان کے دیگر افراد بھی اپنے پیش کئے جانے والے مضامین اور گفتگوؤں کو زیورِ طبع سے آراستہ کرائیں تو بہترین علمی مواد معاشرے کو مل سکتا ہے ۔ اور مجھ جیسے تشنگانِ علم اپنی پیاس کی کیفیت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں ۔

برادر! نے ان مضامین میں تحریر کو ایک نیا اسلوب عطا کیا ہے ۔ اور یوں یہ کتاب

ایک گلدستہ بن گئی ہے ۔جس میں ہر قسم کا پھول موجود ہے اور جس کی مہک انسان کی روح کو مہکاتی ہے ۔اسلامی معاشرے کی تشکیل کے تنظیمی اسلوب کو مختلف عناوین کے تحت جمع و بیان کیا ہے ۔اور زن و مرد ہر دو کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے کی سعی کی ۔اسلام کے سلامتی کے راستے پر سفر کرتے ہوئے امیر المومنینؑ کی نظر میں معاشرے کے خدوخال کا بیان ہو،عورتوں کا ثقافتی کردار یا پھر غیبتِ امام میں امت کی ذمہ داریوں کا تعین ہو یا پھر آئمہ اہلِ بیت کی نظر میں مقامِ حضرتِ قائم آلِ محمد (عج) کا موضوع، ہر بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے اور مقتدر علماء اور معتبر کتب سے مواد اکٹھا کیا گیا ہے ۔

انتہائی خوبصورت انداز میں ''انتظارِ امام اور تشکیلِ کردار'' کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے ۔مثلاً:

''عرصہ انتظار ایک طرح سے رحمت بھی ہے کہ اس دوران مومنین امامِ زمانہ عج کی معرفت حاصل کریں اور اپنے اندر قوتِ عمل اجاگر کر لیں''۔

اسی طرح ''اسلامی معاشرہ قرآن و علیؑ کی نظر میں''مولاؑ کے فرمانِ ذیشان کا یہ پرتو ....

''ابو طالبؑ'' کے بیٹے کے ہاں حقوق کی اس قدر اہمیت ہے کہ وہ ایک چیونٹی کے منہ سے جو کا ایک چھلکا بھی چھیننا پسند نہیں کرتے اگر چہ کہ کہ اس کے بدلے میں ان کو ہفت اقلیم کی سلطنت ہی کیوں نہ دے دی جائے''

ان مثلِ گوہرِ نایاب جملوں میں انتہائی مخفی مگر پر تاثیر انداز میں جنابِ ابو طالبؑ کے اندازِ تربیتِ اولاد کو اجاگر کیا گیا ہے ۔جبکہ ''سلامتی کا سفر'' اپنے اندر امت اور امت کی ذمہ داریوں کا تعین ،امت کے کردار کے حوالے سے خاص اہمیت کا حامل ہے ۔یہ تالیف ایک معتبر ہستی

کی جانب سے ایک معتبر کاوش ہے۔ یہ اعتبار میں سندِ تکمیل پا سکتی ہے کہ جب یہ علم شعوری طور پر عمل کا روپ دھار لے۔

دعا گوں ہوں کہ خداوندِ منان اپنی رحمتِ خاصہ مؤلف کے شاملِ حال رکھے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مجھ حقیر پر تقصیر سمیت دیگر افرادِ معاشرہ کو بھی استفادہ کرتے ہوئے اپنی علمی، فکری، عملی سطح بلند کرنے اور دین و معاشرہِ اسلامی کے ایک ادنیٰ خدمتگار کی حیثیت سے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحقِ محمد وآلہ الطیبین الطاھرین وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلتُ و الیہ انیب

والسلام

راہِ حق کے راہیوں کا ادنیٰ خدمت گذار

سید ارشد علی نقوی

چیئر مین امامیہ آرگنائزیشن، پاکستان

حضرت حجتہ ابن الحسن عسکری

۱۔ انتظاریہ

۲۔ حضرت حجتؑ ایک نظر میں

۳۔ حضرت حجتؑ معصومینؑ کی نظر میں

۴۔ انتظارِ امام اور تشکیلِ کردار

i۔ کیفیت منتظرہ

ii۔ صلاحیت اتباع

۵۔ غیبت امام اور ہماری ذمہ داریاں

i. معارات اور اقدار

ii. ذمہ داریاں

iii. افراد سازی

iv. قیام اِمن

v. اشاعت نظریہ امامت

vi. معرفتِ امام

vii. عشقِ امام

انتظاریہ

الام المنتظر .... العجل العجل

موٗلا!وہ وقت کب آئے گا؟ جب تیری ہدایت کے سرچشموں سے سیراب ہوسکیں گے۔

موٗلا ! کب اور کس وقت آپ کے چشمہ شیریں سے سیراب ہوسکیں گے؟ پیاس تو بہت طولانی ہوچکی ہے

وہ صبح کب ہوگی ؟ جب ہماری آنکھیں آپؑ کے جمال سے ٹھنڈک پاسکیں گی۔کب آپ ہم پرنظر ڈالیں گے اور ہم آپ کے دیدار سے شرف یاب ہوسکیں گے؟ جب کہ آپ فتح ونصرت کے پرچم لہرا رہے ہوں گے۔

انتظار..........انتظار..........میں اسی انتظار میں ہوں ....آج سے نہیں بلکہ اس دن سے جب میں سن شعور کو پہنچا تھا۔تب سے آنکھیں زمانے کی چوکھٹ پر لگی ہیں کہ وہ محبوب زمانہ کب جلوہ گر ہوگا؟اور پھر اس وادی انتظار میں میں اکیلا زحمت کش نہیں ۔بلکہ یہ انتظار میرا ورثہ ہے ۔میرا اثاثہ ہے ۔جو اسلاف سے میں نے پایا ہے ۔میرے والدجن کے سیاہ بال اب سفید ہوچکے ہیں ۔سیدھی کمر جھک گئی ہے ۔روشن اور چمکدار نگاہیں ماند پڑ گئی ہیں ۔جن کی گرجدار آواز میں تھرتھراہٹ اور مضبوط وتوانا ہاتھوں میں رعشہ آچکا ہےاس کے باوجود ان کی نظریں اُفق امید پر لگی ہیں اور زبان پر ایک ہی کلمہ دُعا ہے۔

الا ما م المنتظر ....العجل العجل

انہیں یقین ہے کہ روشن جبین نجات دہندہ ضرور آئے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے پُر کردے گا ۔سرکشوں اور ظالموں کی ناک زمین پر رگڑ دے گا مگر وہ کب آئے گا؟ یہ نہ میں جانتا ہوں ....نہ وہ.....اور نہ کوئی اور.....میرے دادا جان جو

عمر بھر انتظار کرتے رہے اور پھر اسی عالم میں آخرت کو سدھار گئے میں اپنے شجرہ نسب کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایک ہی نام نظر آتا ہے ......منتظر مہدی ابن منتظر مہدی ابن منتظر مہدی ابن منتظر مہدی ......تسلسل سے ایک ہی انتظار ہے۔

وارہ سیدہ یا شدید القوی ......اے عظیم قدرت کے مالک

اس بندہ کو اس کے مولا کا دیدار کروادے (دعائے ندبہ)

میں اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالتا ہوں تو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ ظلمت کے عفریت خونخوار جبڑے کھولے ہوئے ہیں۔انسانیت جائے پناہ کی تلاش میں ہے مگر کہیں امان نہیں ملتی لیکن شب تاریک کا یہ مسافر اندھیروں کی ابدیت پر یقین نہیں رکھتا بلکہ ایمان رکھتا ہے کہ افق شرق پر وہ صبح صادق طلوع ہونے والی ہے جس کا روشن سورج پھر کبھی غروب نہیں ہوگا اس دن وہ منجی انسانیت نمودار ہوگا تو اپنے ساتھ سارے مسائل کے حل اور سارے خزانوں کی کنجیاں لائے گا وہ کنجیاں جنہیں صرف محتاجوں، غریبوں مسکینوں، مظلوموں اور مستضعفوں کے ہاتھ ہی گھما سکیں گے وہ سرکشوں کو ہلاک، منکرین حق کو نابود اور متکبروں کی جڑوں کو اُکھاڑ پھینکے گا۔ وہ دن کہ جب.............

نحن نقول — ہم کہہ رہے ہوں گے

الحمد لله رب العالمين — ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے

اللهم انت كشاف الكرب والبلوى — اے خدا تو ہی غموں اور مشکلات کو دور کرنے والا ہے

انت رب الاخرة والدنيا — تو ہی آخرت اور دنیا کا پروردگار ہے

باوصف اس کے کہ عرصہ انتظار صدیوں پر محیط ہے مگر میں نہ تو نا اُمید ہوں اور نہ

ہی بے عمل ۔نا اُمید اس لیے نہیں کہ میرا رب "لَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَه" ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اس کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا ۔اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلاً میرے پروردگار کا یہ وعدہ ہے کہ

(۱) ۔اور ہم نے ذکر (تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے (سورہ انبیاء ۱۰۵)

(۲) ۔اللہ نے تم میں سے صاحبانِ ایمان و عمل صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے (سورہ نور ۵۵)

(۳) ۔اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں ضعیف سمجھے گئے اور مظلوم رہے اور ہم ان کو امام بنائیں گے اور ان کو وارثِ زمین قرار دیں گے ۔(سورہ قصص)

اور بے عمل اس لیے نہیں کہ بے عملی میرے انتظار کا حصہ نہیں ہے بلکہ یہ سراپا عمل ہے ۔

(۱) جد و جہد کرتے رہو اور انتظار میں رہو (حضرت امام جعفر صادق)

(۲) منتظر اس شخص کے ہم مرتبہ ہے جو راہ خدا میں شمشیر چلا رہا ہے (امام جعفر صادق)

(۳) تم ظہورِ قائم کے لیے کم از کم ایک تیر اپنے پاس رکھو ۔(امام جعفر صادق)

اُمید اور عمل میری کشتیِ انتظار کے چپوار ہیں جو طوفان بحرِ ظلمات سے گزار کر مجھے ضرور ایک دن ساحل نور تک لے جائیں گے ۔اگر یہ دن میری زندگی میں نہ آ سکا تو میں نے اپنے بیٹے کے نام وصیت لکھوا دی ہے کہ

"اے میرے نورِ نظر، دیکھو تم شجرۂ منتظرین کی فرد ہو ۔تیرا قیمتی ترکہ جو تو نے اسلاف سے پایا ہے "انتظار" ہے ۔زندگی اسی فلسفہ انتظار کے تابع گزارنا اور اس فلسفہ کے

مطابق ''منتظر اس آدمی کی مانند ہے جو انقلاب کے رہبر کے ساتھ ان کے خیمہ میں ہو بلکہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو رسولؐ اللہ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہو'' (امام جعفر صادقؑ)

اپنی روش حیات اس طرح استوار کر کہ تمہیں جب بھی پکارا جائے تم تیار نظر آؤ اور دیکھو تمہارا رویہ کہیں بنی اسرائیل والا نہ ہو کہ جنھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا

''اذهب انت وربك فقا تلا انا ههنا قاعدو ن''

اے موسیٰؑ! تو اور تیرا پروردگار جائے اور جہاد کرے ہم تو اسی جگہ بیٹھے ہیں۔

بلکہ تیرا انداز و فا سعد بن معاذ انصاری جیسا ہونا چاہیے۔جس نے جنگ بدر کے موقع پر حضرت رسولؐ خدا سے کہا تھا

''یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی آپ کا دین حق ہے اس بارے میں ہم نے بیعت کی ہے عہدو پیان کیے ہیں آپ جو بھی ارادہ فرمائیں گے ہم آپ کی پیروی کریں گے اگر آپ سمندر میں داخل ہوں تو ہم بھی آپ کے پیچھے کود پڑیں گے ہمارا ایک آدمی بھی آپ کی پیروی سے منہ نہیں موڑے گا ہم کسی دشمن کے مقابلے سے نہیں ڈرتے شاید ہم اس راہ میں ایسی خدمات و جانبازی دکھائیں گے کہ آپ حیران رہ جائیں گے ہمیں حکم دیں جہاں بھیجنا بہتر ہے روانہ فرمائیں''۔

اے میرے لختِ جگر:

نصرتِ امامؑ میں تمہیں اتنا پر جوش ہونا چاہیے جتنا کہ شبِ عاشور کو انصارانِ امام حسینؑ تھے۔ دیکھئے مسلم بن عوسجہ باوجود کبر سنی کے امام حسینؑ سے عرض کرتے ہیں:

''ہم آپ کو تنہا چھوڑنے کے بعد خدا کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے۔؟

خدا کی قسم میں اس نیزے سے ان (یزیدیوں) کے سینے چھلنی کردوں گا۔اس وقت تک ان پر حملہ کرتا رہوں گا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔اگر میرے پاس ہتھیار نہ رہے تو میں ان پر پتھروں کی بارش کردوں گا۔یہاں تک کہ مارا جاؤں، مجھے جلا دیا پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں اور جلایا جاؤں یہاں تک کہ ایسا ستر مرتبہ ہو تب بھی آپ کی نصرت سے دست کش نہیں ہوں گا۔''

بیٹا! اپنے آپ کو انصار ان امام مہدیؑ میں سے سمجھو اور زندگی کو اس فرمان معصومؑ کے مطابق ڈھال لو

''حضرت امام مہدیؑ کے انصار وہ لوگ ہوں گے جو سیسہ پلائی دیوار کی مانند ہوں گے ہمیشہ راہ خدا میں قتل ہو کر شہادت پر فائز ہونے کی تمنا رکھتے ہوں گے کسی لمحہ بھی اپنے ہاتھوں سے ہتھیار علیحدہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ خدا ان سے راضی ہو جائے''۔

اے میرے دلبند! میری دُعا ہے کہ خدائے ذوالجلال تجھے حضرت حجتؑ کی بارگاہ میں مشرف فرمائے جس کی حسرت لئے نسل در نسل عصر بہ عصر ہم پکارتے رہے ہیں

اللهم ونحن عبيدك التائقون الى وليّك المُذَكِّر نبيَّكَ۔

بارالہا! ہم تیرے ناچیز بندے تیرے اس ولی کی زیارت کے مشتاق

ہیں کہ جو تیری اور تیرے رسول کی یاد تازہ کرتا ہے (دُعائے ندبہ)

جب تو ان کی بارگاہ مقدس میں حاضر ہو تو میرے سلام عرض کرنا اور کہنا میرے والد نے زندگی آپ کے جد امام محمد تقی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق گزاری۔

'' قائم آل محمدؐ وہ مہدیؑ ہے کہ واجب ہے اس کی غیبت میں

انتظار کیا جائے اور وقتِ ظہور انکی اطاعت کی جائے۔''

زندگی بھر آپ کا انتظار کیا، انتظار نے طول پکڑا اور پیمانہ زندگی لبریز ہو گیا وہ آپ کے ہمرکاب ظالمین، معاندین، متکبرین سے جنگ نہ کر سکا مگر بیٹے کی تربیت انہی اہداف کے پیش نظر کی۔

اے میرے لختِ جگر! دیکھو انتظار کی طوالت سے کبیدہ خاطر نہ ہونا اور نہ ہی لوگوں کی استہزاء اور ٹھٹھ سے بد دل ہونا کیونکہ یہ غیبت او رانتظار ایک آزمائش ہے۔ متزلزل اور گمراہ لوگ اہل حق سے ہمیشہ پوچھتے رہے۔ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اور کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ (سورۃ ملک ۲۵)

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

''جو لوگ دین پر قائم رہیں گے۔ ان کو ستایا جائے گا اور پوچھا جائے گا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ تمہارے امام کے ظہور کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ یاد رکھو جو اس اذیت کو برداشت کر جائے گا وہ پیغمبر کے ساتھ جہاد کرنے والوں کی مانند ہوگا''۔

ان حالات میں یقین کامل اور سچی معرفت کے ساتھ ثابت قدم رہنا اور سورہ طور کی آخری آیت کو اپنا دستور العمل قرار دینا۔

''اور (اے رسولؐ) تم اپنے پروردگار کے حکم سے انتظار میں صبر کئے رہو تم تو بالکل ہماری نگہداشت میں ہو۔ جب تم اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کیا کرو اور کچھ رات بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کی بعد بھی تسبیح کیا کرو''۔

یہ بھی ممکن ہے کہ عصر ظہور آپ کی زندگی میں بھی نہ آئے تو پھر انتظار کی وراثت

کو اپنی اولاد کے سپرد کردینا تا کہ نسل در نسل، زمانہ در زمانہ یہ انتظار زندہ رہے۔ کیونکہ یہ انتظار انسانیت کے لیے آبِ حیات ہے۔

خدا آپ کا حامی و مددگار رہو۔

والسلام آپ کا باپ

منتظر مہدی بن منتظر مہدی بن منتظر مہدی

یہ وہ وصیت ہے جو ایک منتظر باپ نے منتظر بیٹے کے نام لکھ دی اور خود اپنے رب کے حضور دست بدعا ہے کہ۔

اللھم انا نرغب الیك فی دولة کریمة	اے خدا ہم پوری توجہ کے ساتھ ایک کریم حکومت کی تجھ سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔
تعزبھا الاسلام واھله	ایسی حکومت جس کے باعث تو اسلام اور مسلمانوں کو عزت وشوکت فراہم کرے گا
وتذل بھاالنفاق واھله	جس کے باعث تو نفاق اور منافقوں کو ذلیل کرے گا
وتجعلنا فیھا من لدعاة لی طاعتك	اس میں تو ہمیں اپنی اطاعت کے سلسلے میں تبلیغ کرنے والا
والقادة الی سبیلك	اور اپنی راہ کی جانب رہنمائی کرنے والا بنادے۔
وترزقنا بھا کرامة الدنیا والاخرة	اور جس کے سبب سے تو ہمیں دنیا و آخرت کی فضیلتیں عطا کردے۔ (دعائے سباسب)

حضرت حجۃ ایک نظر میں

نام : م ح م د

کنیت : ابوالقاسم

والدِ گرامی : حضرت امام حسن عسکریؑ

والدہ محترمہ : سیدہ نرجس خاتون جو قیصر روم کے بیٹے یشوعا کی صاحبزادی جن کا سلسلہ نسب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصی حضرت شمعونؑ تک پہنچتا ہے۔

القابات:

کتاب نجم الثاقب کی فہرست کے مطابق آپ کے ایک سو بیاسی القابات ہیں جن میں سے ہر ایک کسی مخصوص اور ممتاز صفت کا مظہر ہے۔ بہت زیادہ مشہور چند لقب یہ ہیں ۔بقیۃ اللہ، مہدی، حجت، منتظر، صاحب الزمان، قائم، ولی العصر۔

اصحابِ خاص اور نعرہ:

آپ کے خاص الخاص اصحاب اور معتمدین کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے برابر ''۳۱۳'' ہے اور ان اصحاب کا نعرہ یَالِثَارَاتِ الحُسَینُ ہوگا۔

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ شعبان ۲۲۵ ہجری جمعہ کے دن سرمن رائے (سامرہ) میں ہوئی ۔ولادت کے فوراً بعد آپؑ سجدہ خداوندی بجالائے اور انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کرکے فرمایا۔اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان جدی محمداً رسول اللّٰہ وان ابی امیر المومنین حجۃ اللّٰہ ۔ اور اس طرح تمام

اماموں کا ذکر کیا جب اپنے نام پر پہنچے تو فرمایا! اللھم انجز ما وعدتنی واتمم لی امری وثبت وطاتی واملاء بی الارض قسطا وعدلا۔

بار الہا! ''جو وعدہ تو نے میرے لیے کیا ہے اسکو پورا کر اور میرے ذریعے سے زمین کو عدل وانصاف سے پُر کر دے''۔

اعضاء سجدہ:

آپ کے تمام اعضاء سجدہ اور دائیں ہاتھ پر لکھا ہوا تھا۔ جَـاءَ الْـحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا۔

انگوٹھی کا نقش:

آپؑ جناب کی انگوٹھی کا نقش انا حجة اللّٰه یا انا حجة اللّٰه وخالصته ہے اور اسی مہر سے روئے زمین پر حکومت کریں گے۔

آپؑ کا پرچم:

آپؑ کے پاس رایت الاسلام ہے جس کا پھریرہ خود بخود بوقت ظہور کھل جائے گا اور بحکم خدا اس سے آواز آئے گی اخرج یا ولی الله فاقتل اعداء الله۔ ''اے ولیؑ خدا خروج کیجئے اور دشمنان خدا کو قتل کیجئے۔

آپؑ کی تلوار:

ظہور کے وقت آپ کی تلوار خود بخود میان سے باہر آ جائے گی۔ اور پکارے گی اخرج یا ولی الله فلا یحل لك ان تقعد عن اعداء الله۔ ''اے اللہ کے ولی خروج کیجئے اور تیرے لیے اب حلال نہیں کہ دشمنان خدا سے جہاد کئے بغیر بیٹھے رہیں۔

آپؑ کے پرچم کا نقش:

حضرت ولی العصرؑ کے پرچم پر لکھا ہوگا۔ البیعۃ لِلّٰہ "بیعت صرف اللہ کے لئے ہے"

غیبت صغریٰ:

حضرت امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے ساتھ ہی آپ کی غیبتِ صغریٰ کا عرصہ شروع ہوگیا۔ جس کی کل مدت انہتر سال پانچ ماہ اور سات دن ہے۔ پھر آپ ۳۲۹ ہجری کو غیبتِ کبریٰ میں چلے گئے۔

نوابِ اربعہ:

غیبتِ صغریٰ کے دورانیے میں آپ اپنے خاص نائبین کے ذریعے سے مومنین سے رابطہ رکھتے۔ ان خاص نائبین کی تعداد چار ہے جو نوابِ اربعہ کہلاتے ہیں۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ عثمان بن سعید ۲۔ محمد بن عثمان ۳۔ حسین بن روح ۴۔ علی ابن محمد السمری

غیبتِ کبریٰ:

۳۲۹ ہجری کو جناب ابوالحسن علی ابن السمری نے وفات پائی تو اس کے ساتھ ہی آخری حجت خدا غیبتِ کبریٰ میں چلی گئی وہ دن اور آج کا دن ہر مومن و ہر مومنہ کے لب محوِ دعا ہیں۔

واجعلنی اللھم	اے ہمارے معبود ہمیں شامل فرما
من انصارہ واعوانہ	انکے مددگاروں میں اور انکے ہمراہیوں میں
واتباعہ وشیعتہ	انکی اتباع کرنے والوں میں اور ان کے شیعوں میں
وارنی فی آل محمد مایا ملون	اور مجھے دکھاوہ جسکی آل محمد آرزو رکھتے تھے

وفی عدوھم ما یحذرون	اورانکے دشمنوں کاوہ حال جس سے وہ بچتے تھے
الہ الحق امین۔	اے میرے پروردگار میری دعاقبول کر۔

حکمتِ غیبت:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبداللہ بن فضل ہاشمی سے فرمایا! ''وہی حکمت جو سابقہ حجتوں کی غیبتوں میں تھی حضرت صاحب الامر کی غیبت میں بھی کارفرما ہے۔ لیکن ان کی حکمت ان کے ظہور سے پہلے واضح نہیں ہوگی جس طرح کشتی میں سوراخ کرنا، جوان کو قتل کرنا اور خضرؑ کے ہاتھ سے دیوار کی اصلاح حضرت موسیٰؑ پر سوائے اس وقت کے کہ جب دونوں نے ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہا واضح نہ تھی۔

اے فرزند فضل! غیبت کا موضوع خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے جب ہم خدا کو صاحب حکمت جانتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اعتراف کریں کہ اُسکے کاموں میں کوئی نہ کوئی حکمت کارفرما ہوتی ہے چاہے اس کی تفصیل ہمیں معلوم نہ ہو۔''

حضرت حجت معصومینؑ کی نظر میں

حضرت بقیۃ اللہ الاعظم کے پیام کی اہمیت وافادیت اور آپکے انقلاب کی آفاقیت وہمہ گیری کے سبب معصومینؑ اپنے اپنے ادوار میں مومنین ومومنات کوان کے اخبار وحالات سے مطلع فرماتے رہے خود بھی منتظر رہے اور انتظار فرج کے عمل کی طرف متوجہ کرتے رہے۔اب ہر معصوم علیہ السلام کی ایک ایک حدیث افادہ عامہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

''قائمؑ میرے فرزندوں میں سے ہوگا۔جو میرا نام ہے وہی اس کا نام ہوگا اور جو میری کنیت ہے وہی اسکی کنیت ہوگی اسکی عادت میری عادت جیسی ہوگی اور رفتار میری رفتار جیسی ہوگی وہ لوگوں کو میرے دین کے قبول کرنے کی ترغیب دے کر کتاب خدا کی طرف بلائے گا جو اسکی اطاعت کریگا وہی میرا اطاعت گزار ہوگا۔جو اسکی نافرمانی کرے گا وہ میرا نافرمان ہوگا جو زمانہ غیبت میں اسکا منکر ہوگا وہ میرا منکر ہوگا جو اسکو جھٹلائے گا وہ مجھے جھٹلائے گا اور جو اسکی تصدیق کرے گا وہی میری تصدیق کرنے والا ہوگا اسکے جھٹلانے والوں اور اسکے بارے میں جو کچھ بتا رہا ہوں اسکی تکذیب کرنے والوں اور اس سلسلہ میں میری امت کو گمراہ کرنے والوں کے خلاف میں اپنے خدا سے شکایت کروں گا ستم گار جلدی اپنا انجام دیکھیں گے۔''

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام:

''اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ جنابؑ متفکر بیٹھے زمین کرید رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا! کیا آپ کو اس سے رغبت ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں اور نہ کبھی دنیا کی طرف رغبت ہوئی بلکہ میں ایک مولود کی بابت سوچ رہا ہوں جو گیارہویں امام سے پیدا ہوگا زمین کو عدل وانصاف سے پر کردیگا اور اس کیلئے غیبت ہے۔عرصہ غیبت میں کچھ لوگ گمراہ ہوجائیں گے اور کچھ ہدایت پائیں گے میں نے عرض کیا! یا امیر المومنین کیا یہ ہونے والا ہے؟ فرمایا! ہاں گویا وہ مخلوق ہو چکا ہے اور تمہیں اس امر کا کہاں علم ہے۔ امت محمدیؐ کے نیک ترین افراد اسکے ہمراہ ہونگے پھر اسکے بعد جو خدا چاہے گا کریگا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا:

جب امام حسین علیہ السلام متولد ہوئے تو حضرت رسالتمآب تشریف لائے حسینؑ کو گود میں لیا پھر فرمایا۔

''اے فاطمہؑ اپنے حسینؑ کو لو۔اور یہ جان لو کہ یہ نو اماموں کا باپ ہے اس کی نسل سے صالح امام وجود میں آئیں گے ان میں نواں قائمؑ ہوگا۔''

حضرت امام حسن علیہ السلام:

امیر شام سے صلح کے وقت فرمایا

''ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کی گردن میں کسی نہ کسی طاغی زمان کی بیعت ہے مگر سوائے ہمارے قائمؑ کے جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔خدا اسکی ولادت کو پوشیدہ رکھے گا اسکے وجود کو غائب رکھے گا تاکہ کسی طاغی زمان کی بیعت

اسکی گردن میں نہ ہو۔وہ میرے بھائی حسینؑ کی اولاد سے نواں ہے خدا اس کی عمر طولانی کردے گا پھر اپنی قدرت سے چالیس سال سے کم عمر جوان کی صورت ظاہر کرے گا تا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔"

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام:

"میری اولاد میں سے نویں امام کی اس امت میں غیبت ہے وہ صاحب غیبت کہلاتا ہے اور وہ وہ ہے جس کی میراث اس کی زندگی میں تقسیم ہو جائے گی۔"

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام:

"ہمارے قائم کی ولادت لوگوں سے اس طرح پوشیدہ رہے گی کہ لوگ کہیں گے کہ وہ پیدا ہی نہیں ہوئے ان کے پوشیدہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس وقت ظہور وقیام کریں گے تو ان کی گردن میں کسی کی بیعت کا قلادہ نہیں ہوگا۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام:

"خدا صاحب الامرؑ کیلئے مشرق ومغرب کو فتح کردے گا وہ اس قدر جنگ کریں گے کہ دین محمدؐ کے علاوہ دنیا میں کوئی دین باقی نہ رہے گا۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام:

"ہر شخص جو تمام اماموں کا اقرار کرے لیکن مہدیؑ کے وجود کا انکار کردے وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمام انبیاء پر اعتقاد رکھے لیکن سرکار ختمی مرتبتؐ کا انکار کردے ۔"

آپؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اے فرزند رسولؐ مہدیؑ کس کی اولاد میں سے ہے ؟ آپؑ نے فرمایا "ساتویں امام کی نسل میں سے پانچواں فرزند مہدی ہے لیکن وہ غیبت میں ہوگا اس کو نام سے پکارنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔"

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

''خوش نصیب ہیں ہمارے وہ شیعہ جو امام (قائم) کی غیبت کے زمانہ میں ہماری ولایت کا دامن تھامے رہیں گے اور ہماری دوستی اور ہمارے دشمنوں کی دشمنی پر قائم رہیں گے وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ان میں سے ہیں وہ ہماری امامت پر راضی ہیں ہم بھی ان کے تشیع سے راضی ہیں پس خوش نصیب ہیں وہ ۔خدا کی قسم وہ جنت میں ہمارے درجات میں ہمارے ساتھ رہیں گے''۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام:

ریان بن صلت سے آپؑ نے فرمایا ''میں صاحب الامر ہوں لیکن وہ صاحب الامر جو زمین کو عدل وانصاف سے پُر کردے گا وہ میں نہیں ہوں اس کمزوری کے باعث جو تو مجھ میں دیکھ رہا ہے کس طرح ممکن ہے کہ میں وہ صاحب الامر ہوں ۔قائم ماموروہ ہے جو ضعیفی کے سن میں جوانوں کی شکل میں ظاہر ہوگا وہ اسقدر طاقت ور ہوگا کہ اگر روئے زمین کے سب سے بڑے درخت پر ہاتھ ڈالے تو اسکو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور اگر پہاڑوں کے درمیان آواز بلند کرے تو سخت پتھر بکھر جائیں ۔حضرت موسیٰؑ کا عصا حضرت سلیمانؑ کی انگشتری اس کے پاس ہوگی ۔وہ میری نسل میں سے چوتھا فرزند ہوگا خدا جب تک چاہے گا اسے لوگوں کی نظر سے مخفی رکھے گا اسکے بعد ظاہر کرے گا اور اسکے وسیلہ سے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسی وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔''

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام:

''قائم آل محمدؐ وہ مہدی ہے کہ واجب ہے اسکی غیبت میں انتظار کیا جائے اور وقت ظہور ان کی اطاعت کی جائے۔''

حضرت امام علی نقی علیہ السلام:

''میرے بعد میرا فرزند حسنؑ امام ہے اور اسکے بعد اسکا فرزند مہدی ہے وہی قائم ہے جس کا عدل وانصاف تمام دنیا کا احاطہ کرے گا۔''

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام:

''میرے فرزند کی مثال خضرؑ اور ذوالقرنینؑ کی سی ہے ۔واللہ وہ ضرور غائب ہوگا اور غیبت میں ہلاکت سے صرف وہی بچیں گے جن کو خدا اسکی امامت کے اعتقاد پر ثابت رکھے گا اور تعجیل فرج کی دعا کی توفیق دے گا۔''

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے اُو دارد

انتظارِ امام اور تشکیل کردار

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّی مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۔(یونس۲۰)

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ غیب تو صرف اللہ کے واسطے ہے تم بھی انتظار کرو اور تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

قرآن مجید میں بہت سے گذشتہ واقعات بیان ہوئے ہیں یہ واقعات امم سابقہ کے قصے اور کہانیوں کے طور پر بیان نہیں کئے گئے بلکہ ان کا مقصد و غایت یہ ہے کہ قاری پڑھنے کے بعد ان میں غور وفکر کرے تعقل اور تفکر سے کام لیکر ان سے اپنی زندگی کیلئے راہنمائی حاصل کرے پھر جو واقعہ جس قدر زیادہ پر از حکمت ہے اس کا تذکرہ اسی قدر تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے۔مختلف انداز اور طریقوں سے بیان ہوا تا کہ انسانی ذہن اسکے ہر زوایہ، اور ہر پہلو کو جان سکے اور اس واقعہ کا کوئی پہلو اور سبق اوجھل نہ رہ جائے۔انہی تذکروں میں ایک تذکرہ خلقت آدم علیہ السلام ہے جو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱)سورہ بقر ۳۰ تا ۳۹(۲)سورہ آل عمران ۳۳(۳)اعراف ۱۱ تا ۵۲ اور ۱۸۹ تا ۱۹۰ (۴)سورہ حجر ۲۸ تا ۳۰ (۵) بنی اسرائیل ۶۱ تا ۶۲(۶) کہف ۵۰ (۷)طٰہٰ ۱۲۰ تا ۱۲۱(۸)ص ۷۱ تا ۷۳(۹) حجرات ۱۳،

ان تمام آیات میں خلقت حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے۔

سورہ بقرہ میں کہا گیا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں پھر سورہ حجر میں ارشاد الٰہی ہوا۔

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ	جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو خمیری مٹی سے جو کھن کھن
بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ	بولنے لگے (ٹھیکری) سے پیدا کرنے والا ہوں
فَاِذَاسَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِن رُّوْحِیْ فَقَعُوْالَهٗ سٰجِدِیْن	تو جب میں اسکو درست کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونکدوں تو تم سب کے سب اسکے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔

ذات باری تعالیٰ نے جب بزم ملائکہ میں یہ اعلان فرمایا کہ میں ایک خلیفہ زمین میں بنانے والا ہوں اور جب میں اس کو پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر جانا مگر امر واقع یہ ہے کہ اس اعلان تخلیق اور خلقت آدم علیہ السلام میں ہزاروں سال کا فرق ہے یعنی کئی ہزار سال بعد انجام پذیر ہونے والے عمل کے بارے میں ابھی سے آگاہ کیا جا رہا ہے اور فرشتوں سے سجدے کا مطالبہ بھی ہو رہا ہے۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ وہ کون سی حکمت الٰہیہ کارفرما تھی کہ اعلانِ خلقت کو عملِ خلقت پر مقدم رکھا گیا اور پھر فرشتوں کا فریضہ بھی متعین کر دیا گیا۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ جو بعد میں سنت الٰہیہ کے طور پر سامنے آئیں۔

ا۔ مخاطبین میں کیفیت منتظرہ پیدا کرنا۔

۲۔ مخاطبین میں صلاحیت وآمادگیِ اتباع پیدا کرنا۔

کیفیت منتظرہ:

اس سے مراد ملائکہ میں خلیفۃ اللہ کی معرفت وآگاہی پیدا کرنا تھا تاکہ وہ خلیفۃ اللہ کی جلالت وعظمت، قدر ومنزلت سے مکمل طور پر آگاہ ہوجائیں، ساتھ ہی اس کی غرض خلقت اور اس کے ہدف وپروگرام کی پوری پوری معرفت حاصل کرلیں اور اس عرصہ انتظار میں اپنے آپ کو خلیفہ الٰہی کے استقبال کیلئے تیار کرلیں۔

صلاحیت اتباع:

یعنی عرصہ انتظار میں تیار ہوجائیں کہ جب وہ الٰہی نمائندہ آئے تو اس کی تعظیم واحترام بجالائیں اور اس سے سرِمو تخلف وتخطی نہ کریں۔

پس ملائکہ نے اپنے اندر اس عرصہ انتظار میں یہ کیفیت بھی پیدا کرلی اور صلاحیت بھی، کہ جیسے ہی آدمؑ عدم سے عالم وجود میں ظہور پذیر ہوئے تو سب کے سب فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ تمام ملائکہ آدم کے سامنے سجدہ بجالائے اِلَّآ اِبْلِيْسَ سوائے ابلیس کے جو اپنے اندر یہ دونوں باتیں پیدا نہ کرسکا۔ الٰہی نمائندے کے سامنے تکبر وغرور کی بنیاد پر اکڑنے لگا اور یوں نامراد و ناکام قرار دے کر اسے نکال دیا گیا قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ پس حکم ہوا کہ نکل جاؤ، تو مردود ہے اور قیامت تک تجھ پر لعنت و پھٹکار ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ

(ا) وہ جو عمل انتظار بجالائے، انتظار کے دورانیہ میں کیفیتِ منتظرہ وصلاحیتِ اتباع سے

آراستہ ہوئے وہ بارگاہ الٰہی میں کامیاب اور فائز المرام ٹھہرائے گئے جبکہ
(۲)وہ جس نے عملِ انتظار سرانجام نہ دیا۔اس مدت میں خلیفہ خدا کی نہ تو اس نے معرفت حاصل کی اور نہ اطاعت کی صلاحیت پیدا کی'وہ بے نیل ومرام رہا' رجیم وکافر قرار پایا، یوں عمل انتظار کے نتیجہ میں مومن وکافر، خالص وناخالص، حقیقی عبداور ریاکار میں فرق واضح ہوگیا۔کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوگئی پھر خدائے رحمان نے اس عمل کو اپنے ہر نمائندے اور خلیفہ کیلئے جاری وساری کردیا۔ہرنبی اپنے بعد آنے والے نبی کے بارے میں اپنی قوم کو بتاتا رہا اور یوں قوم کو آگاہ کرتا رہا کہ جس وقت بھی خدائی نمائندہ آئے تو فوراً بلاچون وچرا اس کی اتباع کرنا۔اس کی پیروی کرنا اس کے سامنے حیلے بہانے نہ تراشتے رہنا۔اس کے سامنے سرِتسلیم خم کردینا۔مگر خواہشات نفس کے بندے ہر خدائی خلیفہ کے سامنے اکڑتے رہے رکاوٹیں کھڑی کرتے رہے۔ صَدُّوا عَنْ سَبِیلِ اللّٰہِ وَشَآقُّو االرَّسُوْلَ۔ وہ انکار کرتے رہے'راہ خدا سے لوگوں کو روکا، رسول کی مخالفت کی یوں اپنے اعمال کو اکارت کر بیٹھے۔

وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَھُمْ۔(سورہ محمد)

اور جب بھی کبھی کوئی رسول یا خدائی پیمبران کی ہوائے نفس کے خلاف حکم لاتا تو بظاہر مطیع وفرمانبردار اکڑتے رہے اور اسطرح اپنی قلبی کیفیتِ نفاق کو ظاہر کر بیٹھتے۔
''جب بھی رسول تمہاری خواہش کے خلاف کوئی حکم لاتا ہے تو تم اکڑ جاتے ہو''
سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۷، ان لوگوں کے تین رویوں کو بیان کرتی ہے جو وہ انبیاءؑ سے عمومی طور پر روا رکھتے تھے

اِسْتَکْبَرْتُمْ	ان کے سامنے تکبر کرتے تھے
کَذَّبْتُمْ	ان کی تکذیب کرتے تھے
تَقْتُلُوْن	ان کو قتل کرتے

بَلْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ۔ ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے۔ ان کے اعمال اسی طرح اکارت کر دیئے گئے جیسے شیطان کے اعمال اکارت ہوئے یہ اسی طرح لعنت کے سزاوار ٹھہرے جس طرح شیطان لعنت کا مستحق ٹھہرا کیونکہ دونوں نے زمانہ انتظار میں منصوص من اللہ نمائندہ الٰہی کی نہ تو معرفت حاصل کی اور نہ ہی اطاعت کی بلکہ خواہشات کے بندے بن کر سرکشی وطغیانی پر اُتر آئے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوَاہُ بِغَیْرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰہِ۔ قصص ۵۰

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے خدائی ہدایت (حکم) کے بجائے نفس کی پیروی کی۔ قرآن میں ان لوگوں کو جانور بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے کہا گیا ہے۔

اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔ (فرقان ۴۴)

شیطان ان گمراہوں کی سرپرستی کرنے والا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَاءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف ۲۷)

بے شک ہم نے شیطان کو بے ایمان لوگوں کا سرپرست بنا دیا

بہر حال یہ سنت الٰہی ہر نبی، ہر رسول اور ہر پیغمبر کیلئے جاری وساری رہی کہ وقت کا خدائی نمائندہ اپنے بعد والے نمائندہ کا تعارف کراتا رہا تا کہ امت معرفت حاصل کر لے۔ جب تک معرفت حاصل نہیں ہوتی، دل میں عظمت پیدا نہیں ہوتی۔ عظمت پیدا نہیں ہوتی

تو قلب تصدیق نہیں کرتا، قلب تصدیق نہیں کرتا تو اطاعت و اتباع ممکن نہیں ہوتی۔

اسی فلسفہ کے تحت یہ سنت الہیہ حضرت ابا صالح المہدی عج کیلئے بھی جاری ہوئی چونکہ یہ الٰہی نمائندہ وہ ہے جس کے ذریعہ سے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ کی عملی تعبیر وقوع پذیر ہونے والی ہے۔اس لئے زیادہ انصرام واہتمام سے انتظار کیلئے کہا گیا۔یہاں تک کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوحکم دیا گیا کہ لوگوں میں حضرت حجتؑ کا تعارف کرائیں۔

''بے شک موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ جاؤ اپنی قوم بنی اسرائیل کوظلمت سے نور کیطرف نکالواوران کوایام خدا کی یاد دلاؤ۔''

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ۔ (ابراہیم۵)

تفسیر قمی وتفسیر صافی کے مطابق ایام اللہ سے مراد تین دن ہیں

۱۔قائم آل محمدؑ کےظہور کا دن ۲۔موت کا دن ۳۔قیامت کا دن

پھر رسول پاکؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے اپنے دور میں اس اہم فریضہ کی اشاعت کرتے اور مسلسل لوگوں کو،مومنین کوحضرت کی غیبت اور انتظار کی طرف متوجہ کرتے رہے یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ طولانی انتظار سے کبیدہ خاطر ہوکر لوگ مایوسی اورقنوطیت کا شکار نہ ہوجائیں قرآن پاک اس انسانی کمزوری کی طرف خدشہ کا اظہار کرتا ہے کہ

''مومنین مثل ان لوگوں (یہودونصاریٰ) کے نہ ہوجائیں جن کوان سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔پس جب ان پر بہت عرصہ گزرگیا تو ان کے دل سخت ہوگئے اور بہت ان میں

سے فاسق بن گئے ۔'' (سورہ حدید ۱۶)

عرصہ انتظار ایک طرح سے رحمت بھی ہے کہ اس دوران مومنین امام زمانہ کی معرفت حاصل کریں اور اپنے اندر قوت عمل کو اجاگر کرلیں ۔ دوسری طرح سے یہ انتظار ایک امتحان و آزمائش ہے کہ کون اس طویل انتظار میں یقین کے ساتھ، ایمان کامل کے ساتھ، حقیقی منتظرِ امام ثابت ہوتا ہے ۔ یا پھر شک وشبہ میں گرفتار ہوکر اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے ۔

حَتّٰی یَمِیزَ الْخَبِیثَ مِنَ الطَّیِّبِ ۔ (آل عمران ۱۷۹)

تا کہ خبیث و طیب میں تمیز ہوجائے ۔

روایات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام اسی فلسفہ کی تائید وتوثیق کرتی ہیں ۔

۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں

''ہمارے قائم کیلئے دو غیبتیں ہیں اور دوسری کی مدت دراز ہوگی کہ اس عرصہ میں بہت سے لوگ جو اس کے قائل ہیں پھر جائیں گے اور نہیں رہے گا باقی دین پر مگر وہ جس کا یقین قوی اور معرفت صحیح ہو ۔ جو ہمارے حکم سے دل میں تنگی نہ پائے اور ہم اہل بیت کے امر کو تسلیم کرلے''

اس طویل عرصہ انتظار میں ثابت الایمان رہنے کیلئے حضرت صادق آل محمدؑ اس دعا کی تعلیم فرماتے ہیں

یاالله یا رحمن یارحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك۔

اے اللہ، اے رحمٰن، اے رحیم اے دلوں کو پھرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

۲) ابوحمزہ ثمالی نے ابوخالد کابلی سے انہوں نے حضرت علی ابن الحسینؑ سے روایت کی ہے کہ

''اے ابوخالد! حضرت رسول اکرمؐ کے اوصیاء میں سے بارہویں وصی اور ولی کی غیبت طویل ہوگی جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہونگے' ان کے ظہور کے منتظر ہونگے' وہ ہر زمانے سے افضل ہونگے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی عقل وفہم اور معرفت عطا فرمائے گا کہ ان کے نزدیک غیبت بھی بمنزل شہود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو وہی رتبہ عطا فرمائے گا جو درجہ رسول خداؐ کی معیت میں رہ کر تلوار سے جہاد کرنے والوں کو حاصل ہے یہ لوگ واقعی مخلص اور ہمارے سچے پیروکار ہونگے۔ وہ لوگ درپردہ اور اعلانیہ دونوں طرح سے اللہ کے دین کی دعوت دینے والے ہونگے۔''

۳) رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا

''اے علیؑ! تمہیں معلوم ہو کہ لوگوں میں سب سے بڑا صاحب یقین گروہ وہ ہوگا جو آخری زمانہ میں پیدا ہوگا انہوں نے اپنی نبی کو نہیں دیکھا ہوگا اور حجت خدا (امام زمانہؑ) بھی پردہ غیب میں ہوگا مگر اسکے باوجود ہر سیاہ وسفید پر ایمان رکھتے ہوں گے۔''

۴) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں

''حسن عسکریؑ کے بعد ان کے فرزند امام ہونگے جو قائم بحق ومنتظر ہیں۔ راوی نے پوچھا ان کو منتظر کیوں کہتے ہیں تو ارشاد فرمایا ان کیلئے غیبت ہے جس کے بہت سے دن ہونگے پس جن کا ایمان خالص ہے وہ انتظار کریں گے اور جن کا ایمان مخلوط بہ شک ہے وہ انکار کریں گے اور جو بے ایمان ہیں وہ ان کا نام لینے والوں پر استہزاء کریں گے

اور جوان کے زمانہ ظہور کا وقت معین کریں گے وہ جھوٹے ہونگے اور ان کے ظہور میں جلد بازی والے ہلاک ہو جائیں گے اور جو لوگ ان ایام (انتظار) میں اطمینان وتسلیم کے ساتھ ان کا انتظار کریں گے اور توقف انتظار میں چون و چرا نہ کریں گے وہ نجات پانے والے ہونگے ۔قائم آل محمدؐ وہ مہدی ہے کہ واجب ہے کہ اس کی غیبت میں انتظار کیا جائے اور وقت ظہور ان کی اطاعت کی جائے۔''

۵) سدیر صیرفی بیان کرتا ہے کہ میں اور مفضل بن عمر ،ابو بصیر اور ابان بن تغلب حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ نے ایک خیبری چادر کو گلے میں ڈالا ہوا ہے' خاک پر بیٹھے ہیں' رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔

''اے میرے سردار تیری غیبت نے میری نیند کھو دی ،آرام گاہ تنگ کر دی ، میرا چین چھین لیا اے میرے سردار تیری غیبت نے دائمی دردوں سے میری مصیبت کو ملا دیا ہے ایک ایک کا گم ہو جانا ساری جماعت کو کھو دیتا ہے اور میں آنکھ سے آنسو بند ہوتے نہیں دیکھتا جو مصیبت پے درپے آرہی ہے ۔راوی کہتا ہے یہ حالت دیکھ کر ہمارے ہوش اُڑ گئے عرض کیا۔اے فرزند رسولؐ! کیا ہوا آپ اسقدر آنسو بہا رہے ہیں تو آپؑ نے ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا میں آج صبح جفر میں ولادت امام غائب ،ان کی غیبت اور تاخیر ظہور ،طول عمر ،اس زمانے غیبت میں مومنین کی مصیبت وابتلا ،طول غیبت سے دلوں میں شکوک اور لوگوں کا دین سے پھر جانا ،اسلام سے خارج ہو جانا ، ولایت اہل بیتؑ سے نکل جانا جس کو خدا نے ہر شخص کے گلے میں ڈال دیا ہے ۔ (وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ۔ اور ہم نے ہر آدمی کے نامہ اعمال کو اس کے گلے کا ہار

بنادیا ہے۔(سورہ بنی اسرائیل ۱۳)) یہ ساری چیزیں دیکھیں تو غم کے بادل دل پر چھا گئے۔ ہم نے عرض کیا۔اے فرزند رسولؐ ! ہمیں بھی اس علم میں شریک فرمائیں تو فرمایا۔اللہ تعالٰی نے ہمارے قائم کیلئے ان باتوں کا ارادہ کیا ہے۔

i)ولادت حضرت موسیٰؑ جیسی

ii) غیبت حضرت عیسیٰؑ جیسی

iii) تاخیر حضرت نوحؑ جیسی

iv)طول عمر حضرت خضرؑ جیسی

i۔ ولادت حضرت موسیٰؑ جیسی:

جب فرعون کومعلوم ہوا کہ اس کی سلطنت کی بربادی حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں ہوگی۔تو اس نے بنی اسرائیل کے بیس ہزار نومولود بچے قتل کرادیئے مگر قتلِ حضرت موسٰی پر قادر نہ ہوسکا۔بنی اُمیہ اور بنی عباس کے جبار امراء کومعلوم ہوا کہ ان کی بربادی ہمارے قائم کے ہاتھوں ہوگی۔تو انہوں نے قتل قائمؑ کا ارادہ کیا۔مگراللہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ ظالم اس کے معاملہ پر مطلع نہ ہوں اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا نور درجہ کمال کو پہنچے۔ولو کرہ المشرکون۔

ii)۔ غیبت عیسیٰؑ جیسی:

یہود ونصاری نے اتفاق کرلیا کہ حضرت عیسٰیؑ قتل کر دیئے گئے مگر ذات احدیت نے ان کی تکذیب کی مَا قَتَلُوْہُ۔وَمَا صَلَبُوْہُ۔ نہ وہ قتل ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان لوگوں کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔یہی حال غیبتِ قائمؑ کا ہے کہ طویل زمانہ غیبت کی وجہ سے لوگ انکار کریں گے بعض کہیں گے کہ مہدیؑ پیدا ہی نہیں ہوئے بعض

کہیں گے کہ پیدا ہوئے اور مر گئے ۔بعض یہ کہہ کر انکاری ہوں گے کہ امام حسن عسکریؑ بے اولاد تھے بعض اس قول سے دین سے خارج ہونگے کہ عہدہ امامت بارہ سے گزر کر تیرہویں کو پہنچ گیا اور پھر سلسلہ جاری رہا ۔بعض یہ کہہ کر خدا کی نافرمانی کریں گے کہ روح قائمؑ دوسرے شخص میں حلول کرے گی اور بولے گی ۔

iii)۔تاخیر نوح علیہ السلام جیسی:

حضرت نوح علیہ السلام نے نافرمان قوم کیلئے عذاب طلب کیا تو حق تعالٰی نے جبرئیل کو سات گٹھلیاں دے کر بھیجا کہ ان کو زمین میں بو دو، درختوں کے بڑے ہونے اور پھل لگنے تک کشائش ہے ۔اس عرصہ میں لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہو، درخت اُگے بڑے ہو گئے، پھل لگے تو حضرت نوحؑ نے عذاب کا مطالبہ کیا تو خدا نے فرمایا کہ پھر کاشت کرو، یہ بڑے ہوں گے تو عذاب آئے گا ۔اب تین سو افراد جو مومنین کہلاتے تھے اور پیرو کار حضرت نوحؑ تھے ۔الگ ہو گئے اگر نوحؑ سچے ہوتے تو عذاب آ جاتا ۔اس طرح گٹھلیاں بونے کا عمل سات مرتبہ دہرایا گیا اور ہر مرتبہ نوحؑ کے پیروکاروں میں سے افراد شک میں مبتلا ہو کر الگ ہوتے رہے ۔یہاں تک کہ صرف ستر خالص مومن ثابت قدم رہ گئے اور باقی سارے مرتد ہو گئے ۔حَتّٰی يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ اب حضرت نوحؑ کو وحی ہوئی کہ حق واضح ہو گیا ہے ۔مخلص مومنین اور منافقین الگ الگ ہو گئے ہیں مومنین سے کہو کہ تیاری کریں، عذاب آنے والا ہے ۔اس طرح تاخیر کے نتیجے میں خالص اور ناخالص میں تفریق ہو گئی ۔یہی حکمتِ تاخیر ظہورِ حضرت حجتؑ میں کارفرما ہے ۔

iv)۔ عمر حضرت خضر علیہ السلام جیسی:

حضرت خضرؑ کی طولانی عمر نبوت کے لئے نہیں کیونکہ ان پر نہ تو کتاب نازل ہوئی اور نہ کوئی شریعت اور نہ لوگوں نے ان کی اقتداء کی بلکہ اس لیے کے حق تعالٰی جانتا تھا کہ قائم آل محمدؑ کی عمر مبارک مثل عمر حضرت خضرؑ طولانی ہے اور حضرت خضرؑ کی عمر اسی شک کو رفع کرنے کیلئے دراز ہوئی۔''

پس عرصہ انتظار.........

i) ایک مہلت ہے جس میں ہم امام کی حقیقی معرفت حاصل کریں تا کہ حقیقی معنوں میں اتباع امام کرسکیں۔

ii) ایک امتحان وابتلا ہے جس میں صرف اہل یقین اور خالص مومنین کامیاب وکامران ہوں گے اور شک وشبہ میں مبتلا الگ ہو جائیں گے۔لہٰذا یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی ان فرائض وذمہ داریوں کی روشنی میں اپنی سیرت کی تعمیر کریں، تشکیل کردار کریں اور اپنے خاندان اور حلقہ اثر میں احیاء امر آئمہ کریں۔کیونکہ کافی میں ایک حدیث ہے کہ سلمان بن خالد کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا میرے رشتہ دار، میرے خاندان والے، میری بات سنتے ہیں تو کیا میں آپ کے امر کی دعوت دوں تو آپؑ نے فرمایا! ہاں کیونکہ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

''اے ایمان لانے والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''(سورہ تحریم آیت ٦)

غیبت امامؑ اور ہماری ذمہ داریاں

اسلام کوئی بے جان عقیدہ نہیں اور نہ ہی یہ محض فکری زاویہ ہے کہ جس کی عملی تعبیر ممکن نہ ہو یا جسے کائنات کے مسائل اور حیات کی مشکلات سے کوئی سروکار نہ ہو۔ بلکہ یہ زندہ معاشرے کا دین ہے اور عقل، قلب اور حیاتِ انسانی سے بیک وقت مربوط ہے۔

۱) انسانی عقل اس کے عقیدے کا اعتراف کرتی ہے۔

۲) قلبِ انسانی اطمینان پیدا کرتا ہے۔

۳) جبکہ اعترافِ عقل، اطمینانِ قلب کے بعد حیات اس کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

عقل، قلب اور حیات کے باہمی ارتباط سے ایک خاص وجود صفحۂ ارض پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ایک ایسا وجود جو اپنے اندر تین جہتیں رکھتا ہے:

i) پہلی جہت، روحانی جہت ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے خالق و مالک سے رابطہ قائم کرتا ہے۔

ii) دوسری جہت، عقل وفکر کی جہت ہے جسکو بروئے کار لا کر وہ کائنات کے مسائل میں وارد ہوتا ہے۔

iii) تیسری جہت، اخلاق کی جہت ہے یعنی وہ اپنے اخلاقی رویوں سے معاشرے کی اصلاح کرتا ہے۔صحت مند اقدار کی ترویج کر کے اعلیٰ انسانی اقدار کی

مثالیں قائم کرتا ہے۔

روح عقل اور اخلاق ۔ان تین بنیادی اجزاء سے تشکیل پانے والا وجودِ خاص مسلمان کہلاتا ہے۔وہ مسلمان کہ جس کی نیت **قُربةً إلی الله**،جس کا عمل **لِوجه الله**،جسکی خواہش **مرضاتِ الله** اور جس کی منزل **لِقاء الله** قرار پاتی ہے۔اب یہ مسلمان،با ہم مل کر جو تمدن اور معاشرت تخلیق کرتے ہیں،وہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے۔فاطر کائنات نے ان مطلوب و مقصود انسانی پیکروں کی تعلیم و تربیت کیلئے اپنے خاص نمائندے (رسول، نبی،امام) بھیجے ۔ان برگزیدہ نمائندگان الٰہی نے قافلہء انسانی کی تعمیر و اصلاح کیلئے تین کام سرانجام دیے:

۱-**یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ** ۔وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے اور یوں خدائی پیغام بنی نوع انسان تک پہنچاتے ۔

۲-**وَ یُزَکِّیْهِمْ**. پھران آیات الٰہی کی روشنی میں ان کا تزکیہ کرتے ۔ان کے اخلاق کے اندر طہارت اور کردار میں پاکیزگی پیدا کرتے ۔

۳ - **وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ** .ان طاہرو پاکیزہ افراد کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ۔اس تعلیم وتربیت کا ہدف صرف اور صرف ایک تھا کہ پاکیزہ روح کے مالک،الٰہی علم وحکمت کے حامل،خدائی اخلاق سے مزین، یہ ابنائے آدم ایسی بستیاں،ایسے شہر اور ملک آباد کریں جو دنیا میں امن و سلامتی کا گہوارہ ہوں،مہر و محبت کی عطر بیز ہوائیں صبح ومساء ان شہروں میں چلتی ہوں،جہاں لوگ عوض وبدل کے اصول پر معاشرتی عمل سر انجام نہ دیں بلکہ اساسِ معاشرت ایثار اور احسان پر ہو۔ان معاشروں میں انسانی روابط

کو محکم اصولوں پر استوار کرنے کیلئے آفاقی اور ابدی ضوابط اور معیارات تعلیم کئے گئے ۔

معیارات اور اقدار:

(۱) اسلامی معاشرہ کی سب سے بڑی قدر اور عظیم معیار یہ ہے کہ جو کائنات کا خالق ہے وہی اس کا حاکم ہے ۔زمین بھی اللہ کی ،لہٰذا زمین پر سکہ بھی اللہ رب العزت کا ہی چلے گا ۔اور عبادت اسی کو زیبا ہے ۔

(i) اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اِیَّا ہُ ۔(یوسف ۔۴۰)

اقتدار تو صرف اللہ کے پاس ہے ۔اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو ۔

(ii) وَ ھُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الۡاَرۡضِ اِلٰہٌ ۔وہی (اللہ) آسمانوں میں بھی معبود ہے ،اور زمین پر بھی وہی اللہ لائق عبادت ہے ۔(زُخرف ۔۸۴)

۲) جب حق حکومت وعبادت صرف اللہ کیلئے مخصوص ہے تو پھر ڈرنا بھی صرف اسی سے چاہیئے ۔

فَلَا تَخۡشَوُا النَّا سَ وَاخۡشَوۡنِ ۔ (مائدہ ۔۴۴)

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھ اللہ ہی سے ڈرو ۔

۳) خدا اپنی سرزمین پر کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ فساد پھیلاتا پھرے بلکہ اس کا حکم بہت واضح ہے ۔وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۔(ہود ۔۸۵)

۴) اسلامی معاشرے کا اٹل اور محکم اصول ہے لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ (بقرۃ ۔۲۷۹)

نہ تم کو اس بات کی اجازت ہے کہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی کسی اور کو کہ وہ تم پر ظلم کرے ۔یعنی نہ ظلم کرو اور نہ ظلم سہو ،کیونکہ قادر وکریم اللہ کے نظام کائنات میں ظلم کیلئے کوئی جگہ نہیں ۔

اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡ نَ ۔بے شک ظالموں کو کبھی فلاح نہیں ملا کرتی (یوسف ۔۲۳)

۵) چونکہ ظالموں کیلئے فلاح کا امکان سرے سے، ہے ہی نہیں لہذا جب بھی فیصلہ کرو عدل وانصاف کے ساتھ کرو

وَ اِنۡ حَکَمۡتَ فَا حۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِا لۡقِسۡطِ، (مائدہ۔۴۲)

وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡابِالۡعَدۡلِ (نساء ۵۸)

جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو۔ اسلام عدل وانصاف کو بنیادی انسانی حق تسلیم کرتے ہوئے اس معاملہ میں مذہب، نسل یا اپنے پرائے کا امتیاز روا نہیں رکھتا بلکہ خبردار کرتا ہے۔

لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا (مائدہ ۸)

کسی قوم سے دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب ہرگز نہ بننے پائے۔ عقیدے سے اختلاف کسی کو اپنے بنیادی حق سے محروم نہیں کرتا۔ ہر صورت میں انصاف کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔

۶) ظلم کی بیخ کنی کرنے اور عدل کو قائم کرنے کے سلسلے میں جبار و قہار پروردگار کا حکم یہ ہے کہ نفاذِ حدود کے سلسلے میں مجرمین کے ساتھ کسی محبت و رافت کا اظہار ہرگز نہ کیا جائے۔

وَلَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِھِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ۔ (سورۂ نور۔۲)

دین خدا کے معاملے میں تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہیئے۔

۷) اسلامی معاشرے کی اساس و بنیاد میں نہ تاجرانہ اغراض کارفرما ہیں اور نہ ہی مادی ضرورتوں کے مفادات بلکہ رحیم و کریم اللہ نے تمہاری جبلت و فطرت میں مؤدت و رحمت کو رکھ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک انسان ضرورت و احتیاج کے باوجود دوسرے

انسان کے ساتھ احسان وایثار کرنا ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً۔(سورۃ روم۔۲۱)

۸) اسلامی معاشرہ چونکہ اخوت و بھائی چارے کا معاشرہ ہے۔لہٰذا تم پر اخلاقی و اسلامی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنے ایمانی بھائیوں کے درمیان اصلاحِ احوال کرتے رہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (حجرات۔۱۰)

۹) تم جب اسلامی معاشرے کا حصہ بن چکے ہو تو اب تم پر لازم ہے کہ اپنی ایمانی برادری کے معاملات کی اصلاح کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو مگر خبردار! یہ امداد و تعاون صرف نیک اور جائز امور میں ہو اور باہمی معاونت کی بنیاد تقویٰ الٰہی پر ہو۔ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم گناہ و معصیت میں ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔(سورہ مائدہ۔۲)

۱۰) اسلام نہ صرف سماجی انصاف کی ضمانت فراہم کرتا ہے بلکہ معاشی انصاف بھی اس کی ترجیحات میں شامل ہے۔سورہ حشر آیت نمبر ے میں ارشاد ہوا:۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

کہ دولت تمہارے تونگروں اور دولتمندوں کے درمیان نہ گھومتی رہے۔اس لئے اس کو غریبوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور حقداروں میں تقسیم کر دو۔ ارتکاز دولت کو روکنے کیلئے اور معاشی ناہمواری کے سدِ باب کیلئے تقسیمِ دولت کا یہ اصول وضع فرمایا۔اسلام ہرگز یہ بات پسند نہیں کرتا کہ چند سرمایہ دار خاندان اسلامی وسائل پر

قابض ہو کر عوام الناس کو محروم کر دیں بلکہ اس کی اولین ترجیح یہ ہے کہ وسائل کو تمام انسانوں میں برابری کی بنیاد پر فوری طور پر تقسیم کر دیا جائے۔

۱۱) اسلام جہاں اجتماع کی بات کرتا ہے وہاں فرد کی عزت، حرمت اور آزادی کا بھی پورا پورا خیال کرتا ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کا تمسخر اڑائے یا ان کو بڑے ناموں سے یاد کرے یا کسی کے عیب تلاش کرتا پھرے

(i) یَاایُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا یَسْخَرْقَوْم" مِّنْ قَوْمٍ۔

اے ایمان والو کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے

(ii) وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُم ایک دوسرے پر عیب نہ لگایا کرو

(iii) وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کسی کو برے ناموں سے نہ پکارو۔

(iv) وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً۔ (حجرات)

کسی کے بارے میں تجسس نہ کرو اور نہ غیبت کیا کرو۔

(v) پھر چار دیواری کے احترام میں حکم دیا

یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوابُیُوْتًا غَیْرَبُیُوتِکُم حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا

کسی کے گھر میں ہرگز داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت لے لو (نور ۲۷)

ان لازوال آفاقی اصولوں کی بنیاد پر ایک اسلامی معاشرہ معرضِ وجود میں آیا۔ جس میں کوئی طبقاتی کشمکش نہ تھی۔ کوئی اقتصادی ناہمواری نہ تھی۔ کسی قبائلی عصبیت کا وجود نہ تھا۔ کسی کو نسلی برتری جتانے کی اجازت نہ تھی۔ کوئی جغرافیائی اور لسانی تفریق نہ تھی۔ محبت، رواداری، انسان دوستی، مواسات و مواخات، خدا پرستی اور خدا ترسی اس

معاشرے کے امتیازات تھے۔جن پر گواہی قرآنِ مجید ان الفاظ میں دیتا ہے۔

اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا ۔(سورہ آلِ عمران آیت ۱۰۳)

''اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت والفت بھر دی اور تم اللہ کی نعمت (اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ) کے طفیل بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ کے کنارے کھڑے تھے۔پھر ہم نے تم کو بچالیا۔''

کرہِ ارض کے ایک گوشہ میں خدائی پیغام اب ایک نظام کی صورت میں جلوہ گر ہو چکا تو نبوت کا دور بھی ختم ہو گیا۔اس کی جگہ ایک اور خدائی انتظام نے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔اس انتظام کو امامت کا نام دیا گیا۔امامت کی ذمہ داریاں اور مقاصد کیا ہیں؟اس انتظام کے خدوخال کیا ہیں؟اس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قائم کردہ نظام کی بقاو دفاع کو یقینی بنانا ہے۔حضرت علی علیہ السلام امامت کے خدوخال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

i) نِظَاماً لِّاُلْفَتِھِمْ۔۔۔۔۔۔امامت محبتوں،الفتوں کے فروغ کا نظام ہے۔

ii) وَعِزًّا لِدِیْنِھِمْ۔۔۔۔۔۔اس سے اللہ کے دین کی عزت ہے یعنی تحریف،بدعت اور غفلت سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

iii) وَعِزًّا لِلْحَقِّ ۔۔۔۔۔۔اس سے حق کی بنیاد مضبوط ہے۔

iv) وَقَامَتْ مَنَاھِجُ الدِّیْنِ ۔اس سے دین کی راہیں روشن اور واضح ہوجاتی ہیں۔

v) اِعْتَدَلَتْ مَعَالِمُ الْعَدْلِ۔۔اس سے انصاف کے پائے مضبوط ہوتے ہیں۔

vi) جَرَتْ عَلٰی اَذْ لَالِهَا ۔۔۔۔۔تمام کام اپنے صحیح راستوں پر چل نکلتے ہیں۔

vii) طَمَعٍ فِی بَقَاءِ الدَّوْلَةِ ۔۔۔۔۔اس میں حکومتِ اسلامی کی بقاء کا راز ہے۔

vii) وَیَئِسَتْ مَطَا مِعُ الْاَعْدَاءِ ۔۔۔اور یہ دشمن کی مایوسی کا سبب ہے۔

افسوس صد افسوس کہ رحلتِ رسولِ اکرمؐ کے ساتھ ہی مکر و حیلہ کے جال بچھ گئے۔اس نظامِ الفت و محبت کی بساط کو لپیٹ دیا گیا۔گروہی مفادات اور ان کے حصول کیلئے حیلہ سازیاں، امت مہاجرین و انصار کی ٹولیوں میں بٹ گئی۔یوں وحدتِ امت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا کا الٰہی حکم طاقِ نسیاں پر رکھ دیا گیا۔پھر نتیجہ کیا نکلا؟ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ خشکی و تری میں فساد پھوٹ پڑا۔جو لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی تھی۔وہ دن اور آج کا دن انسانیت اسی فساد کی زد میں ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ اس فساد میں سختی آتی گئی۔معصوم قائدین جیسی نعمتِ عظمٰی کی مسلسل ناقدری کی گئی۔

فَقُتِلَ مَنْ قُتِلَ ۔۔۔۔ان میں سے کچھ کو قتل کر دیا گیا۔

وَسُبِیَ مَنْ سُبِیَ ۔۔۔۔کچھ کو قید و بند میں ڈال دیا گیا۔

وَاُقْصِیَ مَنْ اُقْصِیَ ۔۔اور کچھ کو دربدر کر دیا گیا۔ (دعائے ندبہ)

آخر کار خدا نے اپنی آخری حجت کو امت کی ناقدری اور کفرانِ نعمت کے سبب پردۂ غیب میں بھیج دیا۔کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے کہ ناشکری کیوجہ سے نعمتیں سلب ہو جایا کرتی ہیں۔اب مومنین و مستضعفین کی نظریں زمانہ کی چوکھٹ پر لگی ہوئی ہیں۔وہ کب آئے گا؟ جس کے متعلق حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا!

''ہمارا قائم ظاہر ہوگا اور دنیا کو عدل و انصاف سے یوں مالا مال کردیگا جس قدر اس میں ظلم و جور کا رواج ہو چکا ہوگا۔ اس وقت مومنوں کے قلوب مسرور رہوں گے اور وہی ان کے شیعہ ہوں گے۔''

اب صدیوں سے ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کی زبان پر ایک ہی ورد ہے

اَللّٰھُمَّ اَرِنِی الطَّلْعَةَ الرَّشِیْدَةَ۔	بارالٰہا مجھے ابن الزہرؑا کا چہرہِ زیبا دکھادے۔
وَالْغُرَّةَ الْحَمِیْدَةَ	آپؑ کی درخشاں پیشانی کی زیارت کرادے۔
وَاکْحُلْ نَاظِرِیْ بِنَظْرَةٍ مِّنِّی اِلَیْهِ و	ان کے دیدار کو میری آنکھوں کا سرمہ بنادے۔
عَجِّلْ فَرَجَهٗ وَ سَهِّلْ مَخْرَجَه	ان کی کشائش میں جلدی فرما اور انکے ظہور کو آسان بنا

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

(i) کیا یہ انتظارِ فرج بے عملی، جمود اور کاہلی کا نام ہے؟

(ii) کیا یہ انتظارِ حضرتِ حجتؑ ہم سے محض دعائے فرج کا تقاضہ کرتا ہے؟

(iii) کیا یہ عرصہِ انتظار غیر ذمہ داری کا دورانیہ ہے؟

(iv) کیا اس عصرِ غیبت میں انسانیت کے کاندھوں سے تمام فرائض کا بوجھ اتار دیا گیا ہے؟

ہرگز نہیں بلکہ یہ زمانہِ غیبتِ امامِ زمان عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہم سے زیادہ احساسِ ذمہ داری اور بھرپور قوتِ عمل کا تقاضہ کرتا ہے۔ امامِ غیبؑ پر ایمان یہ مطالبہ کرتا ہے کہ فریضہِ قیادت و رہبریتِ عالم اب آپ نے ہی انجام دینا ہے۔ عالمی نظامِ

عدل کا قیام اب آپ کی ذمہ داری ہے ۔دنیا کے شریف اور امن پسند شہریوں کو امن کی ضمانت آپ نے فراہم کرنا ہے۔ ہر ظلم و جور کے سامنے سدِ سکندری آپ نے تعمیر کرنا ہے۔

ذمہ داریاں

(۱)۔افراد سازی

ہمارا اولین فریضہ ہے کہ فاطرِ کائنات سے مضبوط رشتۂ عبدیت قائم کرتے ہوئے کائنات کے مسائل میں وارد ہوں اور اس کی آرائشِ جمال کی کوشش کریں ۔اس مقصد کیلئے سب سے پہلے ہمیں ان شخصیات کو تخلیق کرنا ہوگا جن کی عقل، قلب اور حیات باہم مربوط ہوں۔ جو پاکیزہ روح، فہمِ سلیم اور اخلاقِ الٰہی کے مرکب ہوں ۔ان کے ضمیر و خمیر میں آیاتِ خداوندی رچ بس چکی ہوں ۔قرآنی حکمت و دانائی حرارتِ عمل بن کر ان کی شریانوں میں دوڑتی ہو۔ان کا فکر و عمل، کردار و رفتار اسلام کے قالب میں ڈھل چکے ہوں اور وہ خدائی رنگ میں رنگے ہوئے ہوں ۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"جو شخص قائم آل محمدؑ کے اصحاب میں شامل ہونا چاہے تو وہ انتظار کے ساتھ ساتھ تقویٰ کو اپنا شعار بنائے اور نیک اخلاق اختیار کرے ۔اب اگر وہ امام زمانہؑ کے ظہور سے قبل جاں بحق ہوا تو اس کا ثواب اس فرد کے برابر ہوگا جس نے امام علیہ السلام کو درک کیا، لہٰذا تم جد و جہد کرتے رہو اور انتظار کرو، اے اللہ کی رحمتوں کے مستحق گروہ خدا کرے کہ یہ سب کچھ تم کو گوارہ ہو"

حضرت حجۃ ابن العسکری علیہ السلام خود فرماتے ہیں "تم میں سے ہر وہ شخص جو ہماری

دوستی کو وسیلہ قرار دے کر اللہ کی قربت کا خواہش مند ہے اسے چاہیے کہ وہ باعمل بنے۔''
ان دو اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہِ انتظار عمل کا زمانہ ہے، جدو جہد کا زمانہ ہے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر محض بے عمل انتظار کوئی عبادت نہیں ہے۔

(۲)۔قیامِ امن

یہ زمین اللہ کی ہے جو رب الناس ہے۔ مالک الناس ہے۔ الٰہ الناس ہے۔ تمام لوگوں کا پروردگار، تمام انسانوں کا مالک اور تمام انسانوں کا معبود ہے۔ وہ اپنی زمین پر تمام مخلوقات کیلئے ضمانتِ امن فراہم کرتا ہے۔ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ خدا کی بستی کا امن تاراج کرتا پھرے یا کسی دوسرے سے ظلم کے ساتھ معاملہ کرے۔ اس حوالے سے اسلام اپنے ماننے والوں پر اور خصوصاً ضامنِ امنِ عالم، منجیِ بشریت حضرت حجتؑ کے نام لیواؤں پر بھاری ذمہ داری عائد کرتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک زمانہ کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اس زمانہ کے لوگ بھیڑیئے ہوں گے۔ حکمران درندے، درمیانی طبقہ کے لوگ کھا پی کر مست رہنے والے، فقیر و نادار بالکل مردہ ہونگے۔ (نتیجۃً) سچائی دب جائیگی اور جھوٹ ابھر آئے گا۔ محبت کے الفاظ صرف زبان تک محدود ہوں گے۔ جبکہ دلوں میں کشیدگی ہوگی۔ نسب کا معیار زنا ہوگا۔ عفت و پاکدامنی نرالی چیز سمجھی جائے گی اور اسلام کا لبادہ پوستین کی طرح الٹا اوڑھا جائے گا''۔

ان سنگین حالات میں شیعوں کے تین گروہ ہوں گے۔

(۱) ''ایک گروہ وہ ہے جو ہمارے قائم عجل اللہ الشریف کے انتظار میں اس

لئے ہم سے محبت کرتا ہے کہ دنیا کو پا سکے۔ وہ ہماری باتیں بیان کرتے ہیں، حفظ کرتے ہیں مگر ہمارے جیسے افعال سے قاصر ہوتے ہیں ۔ایسے لوگوں کا حشر اور انجام جہنم ہوگا۔

(۲) دوسرا گروہ وہ ہے جو ہم سے محبت بھی کرتا ہے ۔ہماری باتیں بھی سنتا ہے۔ ہمارے جیسے اعمال بجالانے میں کوتاہی نہیں کرتا ہے۔لیکن اس سے انکا مطمعِ نظر مال کھانا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ آگ بھر دے گا اور بھوک و پیاس ان پر مسلط کردے گا۔

(۳) تیسرا گروہ، وہ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہماری باتوں کو یاد کرتا ہے۔ ہمارے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ ہمارے کسی فعل کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایسے لوگ ہم میں سے ہیں اور ہم ان میں سے ہیں''۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس تیسری قسم کے شیعوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''ہمارے ان شیعوں کو مبارک ہو جو غیبت کے زمانے میں ہماری رسی (ولایت) سے متمسک ہیں جو ہماری دوستی اور ہمارے دشمنوں سے دشمنی میں ثابت قدم ہیں اولئك مناونحن منهم وہ ہم سے ہیں اور ہم ان میں سے قد رضوا بنا الائمة ورضيا بهم شيعة وہ ہماری امامت پر راضی اور ہم ان کی شیعت پر راضی اور خوش ہیں۔ فطوبیٰ لهم ثم طوبیٰ لهم انہیں مبارک ہو اور ان کیلئے بشارت ہو نعم و الله معنا في درجتنا يوم القيامه۔ خدا کی قسم وہ روز قیامت ہمارے درجہ میں ہمارے ساتھ ہوں گے۔''

یہی تیسرا گروہ حقیقی منتظرین امام عصرؑ کا گروہ ہے جو آل محمد علیہم السلام کے ہر حکم کی

اطاعت کرنا ہے ۔کسی امر میں انکاری نہیں ہونا۔ان کی سیرت و کردار کی پیروی کرنا ہے۔حضرات محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کا حکم ہے کہ ''نہ ظالم بنو نہ مظلوم'' نہ ظلم کرو نہ ظلم سہو۔ ان کی سیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ قافلہ انسانی کو جنودِ ابلیس کے حوالے کر دیا جائے اور شیاطین الانس شریف انسانوں کو ظلم وستم کا تختۂ مشق بنا دیں۔وہ تو ہمیشہ اس امر کیلئے کوشاں رہے کہ۔ابناء الحمیہ (رعونت کے فرزند) اخوان العصبیہ (برادران عصبیت) فرسان الکبر و الجا ھلیہ (شہسوارانِ غرور وجاہلیت) کی جڑوں کو کاٹ دیا جائے ۔کیونکہ

'' هُمْ اَسَاسُ الْفَسُوقِ — وہ فسق و فجور کی بنیاد ہیں

وَ اَحْلَاسُ الْعُقُوقِ — اور یہ نافرمانیوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

اَتخذَ ھُمْ اِبْلِیسُ مَطَایَاضَلالٍ ۔ان کو شیطان نے اپنی بردبار سواری قرار دے رکھا ہے''

معاشرتی زندگی میں سیاسی،معاشی،اقتصادی،سماجی اور ثقافتی فساد اور انحراف انہی ناسوروں کی وجہ سے ہے۔پوری تاریخ میں جب بھی پیکرِ انسانیت مجروح ہوا ہے تو انہی کی کارستانیوں اور دست درازیوں کے سبب ہوا ہے۔انسانیت کے یہ ناسور مذہب کے لبادے میں آتے ہیں تو بلغم باعور ثابت ہوتے ہیں۔سیاست میں آئے تو ہامان ثابت ہوئے۔اقتدار حاصل ہو جائے تو فرعون بن کر مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ کہنا شروع کر دیتے ہیں۔اگر ان کو دولت و اقتصاد کے شعبوں میں دسترس حاصل ہو جائے تو قارون بن کر تمام وسائل کو محض اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں۔محمد وآل محمد علیہم السلام کا دین ان سے مصالحت کا پروانہ عطا نہیں کرتا۔بلکہ طاغوت سے انکار کا مطالبہ کرتا ہے۔معاشرے کو ان

سے آزاد کرانے کیلئے ضرب ید اللٰہی اور رسمِ شبیری کا تقاضہ کرتا ہے۔ لہذا منتظرینِ امام عصرؑ جو صبح و شام دعائے عہد میں ان جملوں کی تکرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں

''اَللّٰھُمَّ اِنْ حَالَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہُ الْمَوْتُ الَّذِیْ جَعَلْتَہٗ عَلٰی عِبَادِکَ حَتماً مَقْضِیاً

اے معبود اگر میرے اور میرے امامؑ کے درمیان موت حائل ہو جائے جو تو نے اپنے بندوں کیلئے حتمی قرار دے رکھی ہے۔

فَاَخْرِجْنِیْ مِنْ قَبْرِیْ مُؤْتَزِرًا کَفْنِیْ شاھِرًا سیفی مُجَرِّدًا قَنَاتِیْ

تو مجھے قبر سے اس حال میں نکالنا کہ کفن میرا لباس ہو۔ میری تلوار نیام سے باہر ہو۔ میرا نیزا بلند ہو۔''

انہیں چاہئے کہ وہ اب بھی اپنی تلواروں کو زنگ نہ لگنے دیں۔ اپنے نیزوں کی انیوں کو تیز رکھیں تا کہ امنِ عالم کے ضامن بن سکیں۔ پھر یہ دنیا اللہ کے دوستوں کیلئے مسجد کی منزلت و درجہ رکھتی ہے۔ اس کے تقدس اور پاکیزگی کو ظلم و ستم، دجل و مکاری، ضلالت و گمراہی، فساد و انتشار، ناانصافی اور کساد بازاری سے آلودہ نہیں ہونے دینا چاہئے۔

الدنیا ...... مسجد احبأ اللہ (حضرت علیؑ)

۳) اشاعت نظریہ امامت:

انسان کے اندر بیشمار اور مختلف النوع، میلانات اور رجحانات پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق عالمِ مادہ سے ہے اور وہ فطری طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ان کو اخلاقی نگرانی کی شدید احتیاج ہوتی ہے۔ جبکہ بعض میلانات کا تعلق عالم روحانی سے ہے جن کا ظہور تعلیم و تربیت کا محتاج اور متقاضی ہوتا ہے۔ اگر تربیتی نگرانی میسر نہ آئے تو

روحانی ومعنوی احساسات پردہِ اخفا میں چلے جاتے ہیں ۔یوں ان کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا۔اس لئے اسلام نے معصوم قیادت کی زیرِنگرانی معاشرے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔جو اپنی پاکیزہ تعلیمات واصلاحی پروگرام کے ذریعے انسانی داعیہ کا رخ رضائے پروردگار کیطرف موڑ دیتے ہیں۔''رضائے الٰہی کا حصول'' حیات کے مفہوم میں ایسی تازگی پیدا کر دیتا ہے کہ فانی زندگی لازوال اور غیر محدود مبداءِ فیض وکرم سے جڑ جاتی ہے۔اب انسان کے تمام اعمال وافعال ، کردار و رفتار کا معیار صرف اللہ ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کا یہ تصور گفتار میں صداقت، کردار میں اصابت ، معاملات میں امنیت، خیالات میں پاکیزگی ،اقوال میں درستگی ، افعال میں شائستگی پیدا کرتا ہے۔یہ تصور افراد کے درمیان اخوت،مواخات،مواسات کے احساس کو پروان چڑھاتا ہے۔حکمرانوں کے دلوں میں جوابدہی نموپاتی ہے،عوام کے اندر آزادیِ فکر اور حریتِ عمل کا جذبہ نشوونما پاتا ہے۔مجموعی طور پر انسانوں کے اندر ظلم سے نفرت اور عدل سے محبت کا حوصلہ و ولولہ پروان چڑھتا ہے۔یہ معصوم قیادت معاشرے کو طاغوت سے انکار اور رحمٰن کی اطاعت کیلئے قوتِ عمل مہیا کرتی ہے۔روحانی اور مادی جبلتوں میں توازن واعتدال اسی وقت ممکن ہے جب معاشرہ معصوم قائدین کے زیرِ سایہ بڑھے ورنہ جبلتوں میں افراط وتفریط معاشرے کو انحراف وتحریف کا شکار بنا دیتا ہے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس فلسفہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔

''ہم تمام نیکیوں کی بنیاد ہیں ۔ ہر بھلائی ہماری شاخوں کی ایک شاخ ہے۔ان نیکیوں میں سے توحید،نماز ، روزہ ،غصہ کا پی جانا ،غلطیوں کا بخش دینا محتاجوں سے حسنِ

سلوک، پڑوسیوں کا خیال اور صاحبانِ فضل کی فضیلت کا اعتراف ہے۔ ہمارے دشمن تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہیں۔ ہر بُرا کام ان کی شاخوں میں سے ایک ہے۔ان برائیوں میں جھوٹ، بخل، چغل خوری، اپنے عزیزوں و دینی بھائیوں سے قطع تعلق، سودخوری، یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانا ہے۔۔۔پس جھوٹا ہے وہ شخص جو ہماری ہمراہی اور پیروی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ہمارے دشمنوں کی ٹہنیوں سے لٹکا ہوا ہے" (روضۃ الکافی)

قیادت کی یہ تاثیر ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ قیادت صالح تو معاشرہ صالح، قیادت بدکردار و بدنہاد تو معاشرہ حیوانی درندوں کا غولِ بیابانی۔حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سورہ اعراف آیت ۳۳

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ---

کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا!

"بے شک قرآن کے کچھ معانی ظاہر و آشکار ہیں اور کچھ باطن و پنہاں ہیں۔وہ تمام چیزیں جو خداوندِ عالم نے قرآن میں حرام قرار دی ہیں۔ان کی کثافت و پلیدی سطحی و ظاہری ہے۔ان پلیدیوں کی روح اور انکا باطن ظالم و جابر آئمہ ہیں اور وہ تمام چیزیں جنہیں خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے ان کی حلیت ظاہری ہے اور ان کا باطن آئمہِ حق ہیں۔" (اصولِ کافی)

اب اس عالمی بستی (Global village) میں جس قدر شور و شر ہے۔ جتنا ہنگامہِ تخریب ہے۔اس کا باعث آئمہِ فجور ہیں۔اگر ایک فرد امام زمانہؑ کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے تو جاہلیت کی موت مرتا ہے اور پوری قوم اجماعی طور پر نظامِ

امامت کوٹھکرادے تو۔۔۔۔؟بات صرف اتنی نہیں کہ علیؑ اور اولادِعلیؑ کواقتدار سے محروم کردیا گیا۔درحقیقت قافلہِ انسانی کو۔۔۔

﴾نجات وسعادت کی راہ سے بھٹکا دیا گیا۔

﴾اس شاہراہِ دستور سے منحرف کردیا گیا جوخوش بختی کی منزل تک جاتی ہے۔

﴾ اس کشتیِ نجات سے الگ کردیا گیا جوکشتیِ نوحؑ کیطرح محکم تھی اور ساحلِ مرادتک پہنچانے والی تھی۔

﴾نظاماً لِا لفتھم۔محبتوں کے نظام کومنافرتوں کے نظام سے بدل دیا گیا۔

☆بھلاوہ امام جس کی گردن میں طاغوت کی بندگی کاطوق پڑاہووہ معاشرے کوکیسے "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُo" کی لذت سے آشنا کرسکتا ہے؟

☆شیطانی وابلیسی راہوں کے راہی امام سے کیسےامید کی جاسکتی ہے کہ وہ "اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o "کے خواب کوشرمندۂِ تعبیر کرسکےگا؟

فسق وفجور میں غرق افراد نے ایوانِ اقتدار پر قبضہ جمالیا تو اسلام کی روح خود مسلمان معاشرے میں مفقود ہوگئی۔اسلامی نظام کا خیمہ اُجڑ گیا۔اب اسلام رہ گیا اور ان کا ذہنِ فاسد۔خودساختہ وپرداختہ اسلام اوران کے مکرو حیلے۔عوام ظلم و ناانصافی کے بیاباں میں عدل وانصاف کے سائے کوڈھونڈھتے رہ گئے۔باطل نے حق کاچولا پہن لیا اور عالمِ انسانیت اس کے فریب میں آگئی۔اب اس کاصرف ایک ہی حل ہے کہ وہ چند مخلص افراد جو اب بھی باقی ہیں اور انکے دلوں میں سچی تڑپ بھی باقی ہے معاشرے میں احساسِ زیاں کو اجاگر کریں اور بتائیں کہ نظامِ امامت سے محرومی و

جدائی کا مطلب یہ ہے کہ تم سے عظیم متاعِ حیات کو چھین لیا گیا ہے۔اس احساسِ زیاں کے ساتھ نظامِ امامت کی کماحقہٗ معرفت حاصل کی جائے اور اشاعت کی جائے۔کیونکہ بروزِ قیامت اس نعمتِ عظمیٰ کے بارے ضرور سوال کیا جائے گا۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (سورہ تکاثر) جب اس دن نان ونوش کے بارے پوچھ کوچھ ہوگی تو کیسے ممکن ہے امامت جیسی عظیم نعمت کی ناقدری بارے باز پرس نہ ہو۔

۴) معرفت امام زمانہؑ:

☆......جس طرح صفِ انبیاء علیہم السلام میں حضرت سرکارِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے اور سلسلہ نبوت اپنے تمام اعلیٰ کمالات اور معنوی محاسن کے ساتھ آپؐ پر اختتام کو پہنچا اور آپ کو خاتم الانبیاؐء ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔اسی طرح سلسلہ امامت بھی اپنے مثالی اہداف کو حاصل کر لینے کے بعد حضرت ولی العصر ابا صالح المہدیؑ پر انجام پذیر ہوگا۔اور آپ علیہ السلام کو خاتم الآئمہ ہونے کا فخر حاصل ہوگا۔

☆......حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اتمامِ نعمات اور اکمالِ دین ہوا تو اس دین کا عالمی غلبہ حضرت صاحب العصرؑ کی ذاتِ گرامی کے سبب ہوگا۔

لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَ لَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْن (سورہ توبہ)

☆......''سِرَاجاً مُّنِیْراً'' کیصورت میں ختمی مرتبتؐ کا نور دنیا میں چمکا تو اس نور کی تکمیل وتتمیم حضرت صاحب الزمانؑ کے ظہور سے ہوگی۔

وَیَابَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَ لَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْن (سورہ توبہ ۳۲)

وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ کَرِہَ الْکافِرُوْنَ ۔(سورہ صف ۸)

☆......شرک و نفاق، کفر و عصیان، ظلم و طغیان کے سبب زمین مردہ ہو جائے گی تو آپؑ کے قیامِ عدل کے سبب پھر سے زندہ ہوگی۔ اِعْلَمُوْ اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا(سورہ انعام)

☆......آپؑ ہی وہ وعدہِ الٰہی ہیں جسے پورا ہونا ہے۔حضرت امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں ''اِنَّ الْقَـائِمَ مِنَ الْمِیْعَادِ وَاللّٰهُ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد بیشک حضرت قائمؑ کا قیام ایک وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔''حضرت قائمؑ پر اس طرح سلام کرنے کا کہا گیا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَی الْمَهْدِی الَّذِیْ وَعَدَ اللّٰهُ بِهٖ الْاُمَمُ اَنْ یَجْمَعَ بِهٖ الْکَلِمَ۔

☆......آپؑ کی ذاتِ گرامی وہ ذات ہے جس نے تمام مظلومینِ جہاں کا بدلہ و انتقام آ کر لینا ہے۔خطبہِ غدیریہ میں حضرت رسالتمآبؐ آپؑ کے متعلق فرماتے ہیں اَلَا اِنَّهٗ الْمُنْتَقِمُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ وہ ظالمین سے انتقام لینے والا ہے۔جبکہ خود حضرت صاحب الامر علیہ السلام اپنے بارے میں فرماتے ہیں

انا بقیة الله فی ارضه والمنتقم من اعدائه

میں ہی زمین پر بقیۃ اللہ ہوں اور اللہ کے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہوں۔

☆......یہ امتیاز بھی آپ علیہ السلام ہی کا ہے کہ ظاہر ہونے کے بعد آپؑ تمام نبیوں اور ان کے بیٹوں کے قتلِ ناحق کا بدلہ لیں گے۔آپؑ ہی حضرت مظلومِ کربلا امام حسین علیہ السلام کے خونِ ناحق کا انتقام لیں گے۔

مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْرًا

جب حضرت بقیۃ اللہ الاعظم خروج فرمائیں گے تو آپ کے لشکر کا نعرہ ہوگا۔

یَا لِثَارَاتِ الْحُسَیْنؑ ...... کہاں ہیں خون حسینؑ کا بدلہ لینے والے؟

اسی لیے آپؑ کے انتظار کرنے والے ہر جمعہ کے دن دعائے ندبہ میں پکارتے ہیں۔

اَیْنَ الطَّالِبُ بِذُحُولِ الْاَنْبِیَاءَ وَابْنَاءِ الْاَنْبِیَاءِ

اَیْنَ الطَّالِبُ بِدَمِ الْمَقْتُولِ بِکَرْبَلَا

☆..... قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً کَمَا یُقَاتِلُونَکُمْ کَافَّۃً۔ تمام مشرکین سے مقاتلہ کرو جس طرح وہ تم سب سے کرتے ہیں۔ وَقَاتِلُوْ هُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔ اور ان سے مقاتلہ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور دین کل کا کل اللہ کیلئے رہ جائے (سورہ انفال ۳۹) ان دونوں آیات کا اطلاق کلی ظہور مہدیؑ سے ہوگا۔

آپ کی انہی ممتاز و مختص خصوصیات کے سبب تمام معصومین علیہم السلام اپنے اپنے ادوار میں آپؑ کا ذکر فرماتے، آپؑ کے اعلیٰ مقام و منصب سے آگاہ کرتے۔ آپ کی تائید و نصرت کیلئے لوگوں کو آمادہ و متوجہ کرتے رہتے۔

☆..... حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں۔

''اگر میں ان (امام زمانہؑ) کے ساتھ ہوتا تو پوری زندگی ان کی خدمت کرتا۔'' (عقد الدرر)

☆..... حضرت امام جعفر صادقؑ آپؑ جناب کو سید و سردار کہہ کر پکارتے۔

☆..... حضرت امام علی رضاؑ حضرت حجتؑ کے بارے میں یوں دعا تعلیم کرتے

اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُكَ بِنَا عَلٰی یَدَیْہِ مِنْھَاجَ الْھُدٰی وَالْمَحَجَّۃَ الْعُظْمٰی وَالطَّرِیْقَۃَ الْوُسْطٰی الَّتِیْ یَرْجِعُ اِلَیْھَا الْغَالِیْ وَیَلْحَقُ بِھَا التَّالِیْ وَقَوِّنَا عَلٰی طَاعَتِہٖ وَثَبِّتْنَا عَلٰی مُشَایَعَتِہٖ

''بارالٰہا! ہمیں ان کی معیت میں ہدایت کی راہ پر اور کشادہ راستے پر ڈال دے اور سیدھی راہ پر گامزن فرما۔ کہ آگے نکل جانے والا پلٹ آئے اور پیچھے رہ جانے والا اس تک آ جائے۔ ہمیں ان کی اطاعت کی ہمت دے۔ ہمیں ان کی ہمراہی میں ثبات قدم عطا کر''

ضروری ہے کہ اس بے مثال داعی اور قافلہ بشریت کے عظیم مصلح و قائد کی معرفت حاصل کی جائے لیکن یہ معرفت و ادراک محض عقلی و علمی ادراک نہ ہو بلکہ حسی ہو کیونکہ صرف عقلی اور علمی ادراک نہ تو واضح ہوتا اور نہ ہی اس سے زندگی میں حرارت و قوت پیدا ہوتی ہے یہ حسیات ہیں جو یقین کو حق الیقین میں بدل دیتی ہیں اور حیات میں انقلاب و تغیر پیدا کرتی ہیں ادراک، معرفت کی یہ منزل پانے کے بعد غیبت کو شہود میں بدل دیتا ہے۔ امام زین العابدینؑ اس بات کی طرف یوں رہنمائی فرماتے ہیں۔

''اے ابو خالد! بیشک (حضرت مہدیؑ) کی غیبت کے زمانے کے لوگ ان کی امامت پر اعتقاد رکھتے ہونگے اور انکے ظہور کا انتظار کرتے ہونگے وہ تمام زمانے کے لوگوں سے بہتر ہونگے کیونکہ خداوند عالم نے انہیں عقل و فہم اور معرفت اس طرح دی ہے کہ (وَالْمَعْرِفَةُ مَا صَارَتْ بِهِ الْغَيْبَةُ عِنْدَهُ بِمَنْزِلَةِالْمُشَاهَدَةِ) غیبت ان کیلئے امامؑ کے مشاہدے کیطرح ہوگئی ہے ان لوگوں کو اس زمانے میں اس شخص کیطرح قرار دیا ہے جس نے رسول اللہؐ کے سامنے تلوار سے جہاد کیا ہو وہ لوگ حقیقی مخلص اور ہمارے سچے شیعہ ہیں اور وہ لوگ خدا کے دین کیطرف ظاہری اور باطنی طور پر دعوت دینے والے ہیں''۔ دعائے عہد میں یہ فلسفہ یوں بیان ہوا ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْداً وَّنَرَاهُ قَرِيْباً وہ مخالف لوگ ظہور امامؑ کو دور خیال کرتے ہیں جب کہ ہم ان کو بہت قریب دیکھتے ہیں۔

یہ کیفیت شہود اسی وقت ممکن ہے جب معرفت علمی وعقلی حس کا درجہ اختیار کر لے یعنی جب آپ امام علیہ السلام کا ذکر کریں تو وہ لذت ومٹھاس محسوس کریں جو آپ اپنے پیاروں کے ذکر سے محسوس کرتے ہیں جب زیارت پڑھیں تو آپ کے کان سلام کے جواب سے محظوظ ہوں دعائے عہد پڑھتے ہوئے تجدید بیعت کیلئے جب اپنا ہاتھ بڑھائیں تو انؑ کے مبارک ہاتھوں کا لمس محسوس کریں مگر یہ خیال رہے کہ ہاتھ اتنا پاک ہونا چاہیے کہ امام علیہ السلام اس کو اپنے ہاتھ میں لینا پسند فرمائیں ۔مال حرام کمانے والا ہاتھ، دوسروں کی حرمت کو پامال کرنے والا ہاتھ، معصیت خدا سے آلودہ ہاتھ، امام علیہ السلام اپنے ہاتھ میں ہرگز نہیں لیں گے ۔بدگو اور لغو بکنے والی زبان کبھی امام علیہ السلام کے ذکر کی لذت ومٹھاس سے آشنا نہیں ہوسکتی ۔امام علیہ السلام کے جواب کی لذتِ سماعت سے وہ کان محروم رہیں گے جو غنا اور حرام آوازیں سننے کے عادی ہیں ۔ان آنکھوں کو دیدار امام نصیب نہیں ہوسکتا جو وہ سب کچھ دیکھنے کی رسیا ہوں جن کا دیکھنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُجَدِّدُ لَہٗ فِیْ صَبِیْحَۃِ یَوْمِیْ ھٰذَا وَمَاعِشْتُ مِنْ اَیَّامِیْ عَھْدًا وَّعَقْدًا وَّبَیْعَۃً لَّہٗ فِیْ عُنُقِیْ لَا اَحُوْلُ عَنْھَا وَلَا اَزُوْلُ اَبَدًا۔

اے معبود! میں ان کیلئے (امام زمانہ علیہ السلام کیلئے) تازہ کرتا ہوں آج کی صبح اور جب تک زندہ رہوں یہ عہد یہ بندھن اور یہ بیعت جو میری گردن میں ہے کہ نہ میں اس سے مکروں گا اور نہ کبھی ترک کروں گا۔(دعائے عہد)

۵) عشق امام علیہ السلام

اب ہرانسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس عالی مرتبت عالمی مصلح اور عظیم داعی سے محبت ہی نہیں بلکہ ان سے اور انکے مشن سے عشق کرے ۔ایسا عشق کہ جس کے بعد اپنے معمولات اور معاملات کو، اپنی پسند اور ناپسند کو، اپنے رد اور قبول کو، اپنے قیام وقعود کو حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے حکم ومنشا کے تابع کردے ۔اسکو بجا لائے جس کا وہ حکم کریں اس سے اجتناب کرے جس سے وہ منع کریں وہی چاہے جو وہ چاہیں اس سے کراہت کرے جس سے وہ کراہت کریں بالفاظ دیگر اپنے آپ کو اس ہادی اعظم کے سپرد کردے اور اسی سپردگی میں دراصل رضائے الٰہی مضمر وکارفرما ہے کیونکہ ان کا امرونہی وہی ہے جو اللہ کا امرونہی ہے وہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ رب العزت کی رضا ہے ۔آپؑ جناب ہی اللہ کا کلمہ بلند کرنے والے ہیں اور کلمہ کفر کو مٹانے والے ہیں ۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

i) ''لَا يَكُونُ الْعَبْدُ مُومِنًا حَتّٰى يَعْرِفَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالْاَئِمَةُ كُلَّهُمْ وَاِمَامَ زَمَانِهٖ وَيَرُدُّ اِلَيْهِ وَيُسَلِّمُ لَهٗ۔ کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک وہ خدا کی معرفت، رسولؐ کی معرفت، تمام آئمہ کی معرفت اور اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو اور اپنے امور کو امام کیطرف نہ پلٹا دے اور امام کے سامنے تسلیم نہ ہوجائے''۔

ii) وَلَم يجد في نفسه حرجا مما قضينا وسلم لنا اهل البيتؑ۔

تسلیم یہی ہے کہ اپنی پسند اور چاہت کو اہل بیتؑ کی پسند وچاہت سے بدل دے اور ان کے حکم سے سرمو انحراف نہ کرے اور نہ ان کے حکم میں ترمیم کرے نہ اپنی پسند وچاہت کی اس میں ملاوٹ کرے ۔

iii) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''ان الدین لله ...... لا یصاب الا بالتسلیم فمن سلم لنا سلم ومن اقتدی بنا هدی۔ بے شک دینِ خدا صرف تسلیم کے راستے سے حاصل ہوتا ہے پس جو شخص اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردے گا وہ محفوظ رہے گا اور جو ہماری پیروی کرے گا وہ ہدایت پائے گا''۔

iv) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جناب بقیۃ اللہ الاعظم سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ ''کذب الوقاتون وهلك المستعجلون ونجا المسلمون ۔ وقتِ ظہور کا تعین کرنے والے جھوٹے ہیں۔ جلد بازی کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں جبکہ نجات صرف صاحبان تسلیم کیلئے ہے''۔

جس طرح صاحب الامرؑ کے ہر امر کے سامنے تسلیم ہو جانا عشق ہے۔ اسی طرح ان کے دشمنوں سے اظہار برأت ونفرت بھی عشق ہے۔ اس نفرین وبریت سے مراد صرف اجسام و ذوات سے دشمنی نہیں بلکہ کردار و اعمال سے برات ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس ایک ضعیف لاٹھی کے سہارے آیا اور عرض کیا۔

یابن رسول الله ادننی منك جعلنی الله فداك ۔ فوالله انی لاحبکم واحب من یحبکم ووالله مااحبکم واحب من یحبکم لطمع فی الدنیا وانی لابغض عدوکم وابرامنه ووالله ما ابغضه وابرأمنه لوتر کان بینی وبینه والله انی لا حل حلالکم واحرم حرامکم وانتظر امرکم فهل ترجوالی جعلنی الله فداك۔

اے فرزندِ رسول! میری جان آپ پر فدا ہو مجھے اپنے قریب جگہ دیں خدا کی قسم میں آپ کو اور آپ کے دوستوں کو چاہتا ہوں اور خدا کی قسم یہ دوستی دنیا

کی لالچ میں نہیں ہے اور میں آپ کے دشمن کو بھی دشمن رکھتا ہوں اور ان لوگوں سے بیزار ہوں ۔خدا کی قسم یہ دشمنی اور بیزاری میری ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہے ۔خدا کی قسم میں آپ کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا ہوں ۔اور آپ کے ظہور کے امر کا انتظار کررہا ہوں میری جان آپ پر فدا ہو ۔کیا آپ میرے لیے امید رکھتے ہیں۔'' امام علیہ السلام نے اس کو بلایا اور اپنے قریب جگہ دی اور فرمایا !اے شیخ ایک آدمی میرے بابا علی ابن الحسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا ۔آپ نے فرمایا! اگر تم مر گئے تو رسولؐ خدا ،علیؑ ،حسنؑ ،حسینؑ ،اور ابن الحسین (علیہم السلام) کے پاس پہنچو گے ۔تمہارا دل ٹھنڈا اور تمہاری آنکھیں روشن ہوں گی ۔کراماً کاتبین ،فرشتے ،روح اور ریحان کے ساتھ تمہارا استقبال ہوگا جیسے ہی جان یہاں پہنچے گی (امام نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا) اور اگر تم زندہ رہ گئے تو اپنی آنکھوں سے ایسی چیز دیکھو گے جو تمہاری آنکھ کی روشنی میں اضافہ کا سبب بنے گی اور تم اعلیٰ مرتبہ میں ہمارے ساتھ ہو گے ۔اس ضعیف شخص نے امام کا کلام سنا تو امامؑ کی باتیں دہراتا جاتا اور خوشی سے روتا جاتا یہاں تک کہ زمین پر گر پڑا ۔امام باقر علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے ۔اس نے سر اٹھایا امامؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا ۔امام کے دست مبارک کو اپنے چہرے اور جسم پر پھیرا اور امامؑ سے اجازت لیکر روانہ ہوگیا ۔اب امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب و حاضرین سے ارشاد فرمایا ۔

من احب ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی هذا ۔

جو شخص اہل جنت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھ لے ۔

زیارت جامعہ کبیر جو حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے اوراسکو تمام آئمہ علیہم السلام کی قبور پر پڑھنے کا حکم ہے ۔اس کے الفاظ اس سپردگی اور برأت پر دلیل ہیں ۔

اشھد اللہ واشھد کم انی مومن بکم وبما امنتم بہ و کافر بعدو کم وبما کفرتم بہ۔ مستبصر بشانکم وبضلالۃ من خالفکم موال لکم ولا ولیائکم مبغض لا عدائکم ومعادلھم سلم لمن سالمکم وحرب لمن حاربکم

میں گواہ بناتا ہوں خدا کو اور آپؑ کو کہ اس پر ایمان رکھتا ہوں جس پر آپ ایمان رکھتے ہیں ۔منکر ہوں آپ کے دشمن کا اور جس چیز کا آپ انکار کرتے ہیں ۔آپ کی شان کو جانتا ہوں اور آپ کے مخالف کی گمراہی کو بھی سمجھتا ہوں ۔محبت رکھتا ہوں آپ سے اور آپ کے دوستوں سے نفرت کرتا ہوں آپ کے دشمنوں سے اور انکا دشمن ہوں ۔میری صلح ہے اس سے جو آپ سے صلح رکھے اور جنگ ہے اس سے جو آپ سے جنگ کرے۔

اسی زیارتِ جامعہ میں آگے یہ جملے امام علیہ السلام تعلیم فرماتے ہیں

مفوض فی ذلک کلہ الیکم ومسلم فیہ معکم وقلبی لکم مسلمہ ورائی لکم تبع ونصرتی لکم معدۃ حتی یحیی اللہ تعالیٰ دینہ بکم ویردکم فی ایامہ ویظھرکم لعدلہ ویمکنکم فی ارضہ فمعکم معکم لا مع غیرکم وبریت الی اللہ عزوجل من اعدائکم ومن الجبت والطاغوت والشیاطین وحزبھم الظالمین	ان تمام اُمور کے ساتھ میں خودکو آپ کے سپرد کرتا ہوں،ان امور میں آپ کورہبر مانتا ہوں،میرا دل آپ کا معتقد ہے،میرا ارادہ آپ کے تابع ہے،میری مدد ونصرت آپ کیلئے حاضر ہے،یہاں تک کہ خدا آپ کے ہاتھوں اپنے دین کو زندہ کرے،آپ کو اس زمانہ میں لے جائے،قیام عدل میں آپ کی مدد کرے اور آپ کو اپنی زمین میں اقتدار دے۔پس میں صرف آپ کے ساتھ ہوں، آپ کے غیر کے ساتھ نہیں ہوں۔میں خدا کے حضور آپ کے دشمنوں سے بیزاری کرتا ہوں اور بیزار ہوں بتوں سے،سرکشوں سے،شیطانوں سے اور ظالم گروہوں سے۔

ہم ایک ایسے زمانہ میں ہیں کہ شیطان کے سرمائے اور سازوسامان کا زور بڑھ گیا ہے،اس کی مکاری نے غالب اکثریت کو اپنے چنگل میں جکڑ لیا ہے۔لوگ شیطان وطاغوت کی پیروی کرنے میں آمادہ ومستعد ہیں۔جس طرف بھی نظر اٹھتی ہے غربت و افلاس، دردورنج،حسرت و یاس، بے چینی و بے امنی نظر آتی ہے۔متاع حیات کی اتنی ناقدری تو کبھی بازار مصر میں بھی نہ ہوئی تھی۔کساد بازاری اور معاشی بدحالی کے سبب اللہ کی زمین جبر استبداد کا تپتا ہوا صحرا بن گئی ہے۔اندریں حالات ضامنِ امن عالم، منجی بشریت کے ماننے والوں پر بحالی امن،قیام عدل،سماجی انصاف،اقتصادی برابری کے حوالے سے بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ انسانوں کو روح،عقل اور اخلاق کے دائرہ میں لاکر ارض خدا کو امن کا گہوارہ بنادیں۔

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجذوبِ فرنگی نے بہ اندازِ فرنگی
مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بے زار
نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو
ہے زندہ کفن پوش تو میت اسے سمجھیں
یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو

(اقبال)

سلامتی کا سفر..... راستہ اور راھنما

۱۔ امت کی ذمہ داری

۲۔ امت

۳۔ قائدانہ کردار

۴۔ اہلِ یقین کے اوصاف

۵۔ داعیانہ کردار

۶۔ شاہدانہ کردار

۷۔ یہ کردار کب ادا ہو سکتے ہیں

۸۔ احیاء اُمت

۹۔ قرآن

۱۰۔ اہلِ بیت علیہم السلام

سلامتی کا سفر۔راستہ اور راھنما

انسانیت ایک بار پھر آگ کے کنارے کھڑی ہے ایک ایسی آگ جو اس کی بدعملی، بے راہروی اور کج فہمی کا نتیجہ ہے۔بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاس (روم)، یہ انسانوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔اس آگ کی تپش و حرارت اسقدر زیادہ ہے کہ پیکر انسانی کے ساتھ ساتھ روح انسانی بھی بری طرح جھلس چکی ہے۔مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ انسانیت کا دامن ان اقدار سے بھی خالی ہے کہ جن کے سبب یہ اُمید کی جا سکے۔یٰنَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (الانبیاء آیت ٦٩)، کا الہٰی حکم نازل ہوگا اور یہ آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جائے گی۔کیونکہ الٰہہ سے دوری ہی تو تمام مصائب کا اصلی سبب ہے۔انسانوں کی بدبختی کا پہلا دن وہی تھا جب انہوں نے اللہ سے بغاوت کی اور سرکشی دکھائی، باوجود اسکے کہ خدائی ہدایت موجود تھی یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ (یونس آیت ٢٣) اے لوگو! اس بغاوت و سرکشی کا وبال تمہاری اپنی جانوں پر ہے۔اس تختۂ زمین پر کچھ افراد کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰه کا مقام دے کر خدائی اقتدار کو صرف آسمانوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی۔کرۂ ارض سے خدا کو بے دخل کرنے کے نعرے لگائے گئے۔مرضی کے ضابطے تراشے گئے۔قوانین وضع ہوئے۔دستورات کی تشکیل کی گئی۔بے محابا اختیارات حاصل کئے گئے۔شریعتیں بنائی گئیں تا کہ بے لگام خواہشات کی تکمیل ہو سکے۔اس باغیانہ اقتدار اور بے لگام خواہشات کا، منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان ظلم و جارحیت کے پاٹوں میں پس کے رہ گئے ہیں۔طبقاتی ناہمواری اور

معاشی ناانصافیوں کا سیل بلاخیز ہے کہ مسلسل بڑھتا چلا جارہا ہے ۔فرعونی اور ہامانی لشکریوں کا غول بیابانی ہے کہ شرفِ انسانی کو تاراج کررہا ہے ۔جنتِ ارضی آتشکدہ نمرود بن چکی ہے اور اسکے درجہ حرارت میں اضافہ ہی اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔انسانوں کے ہاتھوں انسانیت کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کے مظاہرے آئے روز دیکھنے میں آرہے ہیں ۔کہیں اشتراکیت کے عفریت ،تذلیلِ آدمیت پر تلے ہوئے ہیں اور کہیں سرمایہ داریت کے خوانخوار بھیڑیئے ،پیکرِ انسانی کو بھنبھوڑ رہے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت وکرامت دی اور آزادی بخشی، کہ اپنی مرضی سے راستے اور منزل کا انتخاب کرے،مگر راستے کے غلط انتخاب نے عالم انسانیت کو اس صورتحال سے دوچار کردیا ہے کہ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن''۔رحیم وکریم پروردگار نے راستے کے چوراہے پر انسان کو تنہا نہیں چھوڑ دیا، بلکہ صحیح راستوں اور ارفع منزلوں کی نشاندہی کرنے والے رسولؐ ،انبیاء اور مرسلین متعین فرمائے ۔انہوں نے بتایا، یہ راستہ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جاتا ہے؟ یہ راستہ مستقیم ہے اور تمہارے پروردگار کا راستہ ہے، جو سلامتی کی منزل تک جاتا ہے ۔یہ راستہ غیر مستقیم اور انحرافی ہے ،یہ ہلاکت وتباہی کی منزل تک پہنچاتا ہے ۔ان خدائی نمائندوں نے انسانوں کو بتایا وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا یہ تمہارے پروردگار کا راستہ ہے قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ اس راہ پر چلنے والوں کیلئے ہم کھول کھول کر نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو اس راستے کا راہی ہے ۔اس کیلئے پروردگار نے سلامتی کا گھر بنایا ہے وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ اللہ اس راہ میں تمہارا سرپرست اور مددگار ہے (انعام آیت ۱۲۷) ان

فرستادگان خدا نے نہ صرف راستوں سے انسانیت کو آگاہ کیا بلکہ تسلسل کے ساتھ ایک پیغام سب لوگوں کو پہنچایا۔ یہ پیغام تھا سلامتی کا، راستی کا، امن کا، فلاح کا، نجات کا، سرفرازی کا، تمام کا ایک ہی پیغام تھا۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلٰم (یونس آیت ۲۵) اور اللہ تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ (البقرہ آیت ۲۲۱) اور اللہ تم سب کو جنت اور مغفرت کیطرف بلاتا ہے۔

اے انسانو! اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے اب رب کے مستقیم اور سیدھے راستہ پر چل نکلو، تا کہ سلامتی کے گھر کو پا سکو۔ سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ۔ (حدید ۲۱) اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف لپک لپک کے آگے بڑھو۔ وسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران آیت ۱۳۳) اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کیطرف جلدی سے بڑھو۔ اس جنت کا عرض سارے آسمانوں اور ساری زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے پر چلنے والے پرہیزگاروں کیلئے تیار کر رکھی ہے۔ جہاں ان انبیاء کرام نے جنت اور دار السلام کی طرف جلدی جلدی بڑھنے کی دعوت دی، وہاں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کے علاوہ جتنے اور بلانے والے ہیں، وہ سب کے سب تمہیں ہلاکت کیطرف، آگ کیطرف بلاتے ہیں اُولٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (البقرہ آیت ۲۲۱) پس خبردار وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ۔ (آل عمران آیت ۱۳۱) اس آگ سے بچو جو نافرمانوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اپنے بارے میں ان انبیاء کرامؑ نے واضح فرما دیا۔ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (انعام آیت ۷۱) اور ہمیں تو حکم پروردگار یہ ہے کہ دونوں جہانوں کے پالنہار

کے مطیع اور فرماں بردار رہیں ۔اللہ نے انسان کوشعور بخشا، آ گاہی عطا کی اور آزادی سے سرفراز فرمایا، تا کہ وہ اپنی رضا و رغبت سے راستوں کا انتخاب کرے ۔اس کی مرضی کہ دارالسلام کیطرف بڑھے یا آگ کی طرف ۔ یہ فیصلے کی گھڑی ہے ۔ بدبختی اور سرفرازی کی منزلوں کا تعلق اسی فیصلے سے ہے ۔اگر اللہ کی دعوت قبول کرتے ہوئے دارالسلام کیطرف اور جنت کی راہوں پر چل نکلے گا تو نتیجے میں امن وسکون، رحمت و راحت پائے گا ۔اس کے برعکس اُولٰٓئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ کی پکار پر لبیک کہے گا تو اپنے دامن کو آگ کے شعلوں کے حوالے کرے گا ۔اس دنیا میں حسد،نفرت، منافرت، بدامنی، غارتگری اور فتنہ فساد کی آگ میں جلے گا اور آخرت میں اس جہنم میں جو بِئْسَ الْمِهَاد انتہائی برا ٹھکانہ ہے اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْن تم اس برے ٹھکانہ پر لائے جاؤ گے اور پھر فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا (شعرا آیت ۹۴) اور اس میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاؤ گے ۔

عالم انسانیت آج جس آگ سے دوچار ہے وہ اس کے اپنے غلط فیصلے کا فطری نتیجہ ہے اور اس سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ قافلہ پلٹ کر صحیح راستے پر آئے اور صدق دل سے کہے ۔اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (شعرا آیت ۵۰) ہم تو اپنے پروردگار کیطرف پلٹ کر جانے والے ہیں ۔

امت کی ذمہ داری:۔

اس انتہائی نازک اور اضطراب انگیز مرحلے پر اسلام اور اسلام کے ماننے والوں پر سنگین ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ۔ کہ وہ الٰہی دعوت کو دنیا کے سامنے مؤثر اور مدلل انداز میں پیش کریں ۔ حکمت و دانائی کے ساتھ پروردگار کے راستے کیطرف بلائیں ۔ جرأت اور شجاعت کے ساتھ الٰہی پیغامات کا ابلاغ کریں ۔احساس فرض کے

ساتھ ساتھ احساس زیاں کو اجاگر کریں۔ دنیا کے اطراف و اکناف میں اسلام کی نجات بخش تعلیمات کو پیش کریں۔ صبر و یقین کے ساتھ خدائی راستوں کو طے کریں۔ ایمان و عمل صالح کے ساتھ ساتھ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْابِالصَّبْرِ۔ کا فریضہ ادا کریں۔ اب جب کہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے تو اُمت کے کاندھوں پر کٹھن ذمہ داریاں ہیں۔

اُمت:۔

جب ہم اُمت کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد وہ افراد نہیں ہیں جن کے نام انبیاء و رُسل کے ناموں پر رکھے گئے ہوں یا جن کے سلسلہ نسب میں ان متبرک ناموں کا تکرار پایا جاتا ہو، نہ کسی ملک سے ہماری مراد ہے کہ جہاں کے رہنے والے بلند آواز سے اللہ اکبر کے نعروں کا ورد کرتے ہوں، نہ کسی قوم سے کہ جس کے اب و جد تاریخ کے کسی دور میں اسلامی نظام کے سائے میں زندگی گزار چکے ہوں۔ بلکہ ہمارے پیش نظر ایسا گروہ ہے جس کے افکار و نظریات، قوانین و ضوابط، اقدار و معیارات، رد و قبول، آداب اور معاشرتی اصول، اعمال و افعال، سب رشتے ناطے سرچشمہ توحید سے جڑے ہوئے ہوں۔ یہ گروہ حقیقی معنوں میں امتِ اسلام کہلانے کا حقدار بھی ہے اور انہیں پر ذمہ داریوں کا بوجھ بھی ہے۔ اندریں حالات اس گروہ کو تین اہم کردار ادا کرنا ہیں۔

۱۔ قائدانہ کردار ۲۔ داعیانہ کردار ۳۔ شاہدانہ کردار

۱۔ قائدانہ کردار:

انسان اس کائنات کی عام مخلوق نہیں ہے بلکہ اس کی تخلیق مخصوص مقاصد اور اہداف کے حصول کیلئے عمل میں لائی گئی ہے۔ روئے زمین پر پہلا انسان پیدا کیا گیا تو

وجہ بتائی گئی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً پھر اس خلیفہ الٰہی کی سرداری کو تسلیم کرانے کیلئے تمام عالم ملکوت کو کہا گیا کہ اس کے سامنے تسلیم ہو جائے اور عظمتِ آدم کے پیش نظر سجدہ ریز ہو جائے۔قرآن میں ایک اور مقام پر اللہ کے پسندیدہ و برگزیدہ بندوں "عِبَادُالرَّحْمٰن" کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (سورہ فرقان آیت ۷۴)اللہ کے نیک بندے دعا مانگتے ہیں بارالہا! ہمیں متقی انسانوں کا امام اور قائد بنا۔ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسانوں کو امامت عالم کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔مگر یہ منصب غیر مشروط نہیں ہے۔چونکہ منصب باعظمت اور پرشکوہ ہے اس لئے میعار اور پیمانے بھی بہت ہی کٹھن ہیں۔جب حضرت ابراہیمؑ ایک عظیم سلسلہ آزمائش سے سرخرو نکلے،تب یہ منصب جلیلہ عطا کیا گیا اور قرآن میں ارشاد الٰہی ہے۔اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ آیت ۱۲۴)اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے خواہش کی کہ اس عالی مرتبت منصب سے میری ذریت کو بھی نوازا جائے۔تو جواب میں ارشاد خداوندی ہوا۔لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ میرا یہ عہد ان تک نہ پہنچے گا جن کے ہاتھ ظلم سے آلودہ ہونگے۔سورہ مبارکہ سجدہ آیت ۲۴ میں خدا فرماتا ہے۔وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً ہم نے ان میں سے امام قرار دیئے۔کن اوصاف اور خصوصیات کی بنا پر......؟

☆ یَھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔....

☆ لَمَّا صَبَرُوْا... اس راہ ہدایت میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر سے کام لیتے تھے۔

☆ وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ۔....اور ہماری آیات پر پختہ یقین رکھتے تھے۔

اس عظیم پیشوائی کیلئے علم شرط اولین ہے اور دیگر شرائط یہ ہیں۔

☆۔ ظلم سے دوری

☆۔ امر الٰہی کی طرف دعوت

☆۔ راہ دعوت میں صبر

☆۔ اس دعوت پر خود کامل یقین و ایمان رکھنا

یہ عظیم کام وہ افراد نہیں انجام دے سکتے جو خود ''فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ'' کا مصداق ہوں۔

اہل یقین کے اوصاف:۔

۱۔ یقین کی نشانیوں میں سے یہ ہے۔ کہ انسان وہ کام جو غضب خدا کا موجب ہے، اسے کر کے لوگوں کو خوش نہ کرے۔(امام جعفر صادقؑ)

۲۔ یقین کی کمزوری کی نشانی یہ ہے کہ تو خدا کو ناراض کرنے کی قیمت پر لوگوں کو خوش کرے۔(حضرت رسالتمآبؐ)

۳۔ صداقت اہل یقین کی گرامی ترین صفات میں سے ایک ہے۔(حضرت علیؑ)

۴۔ یقین یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور چیز سے نہ ڈرو۔(امام جعفر صادقؑ)

۵۔ بے شک اخلاصِ عمل یقین ہے۔(بحار الانوار)

۶۔ الموقنون مخلصون اہل یقین اہل اخلاص ہوتے ہیں۔(غرر الحکم)

یقین جب اس حد تک پہنچتا ہے تو اہل یقین کیلئے کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی اور وہ صبر و استقامت سے، وقار و استقلال سے ہر ابتلاء میں کامیاب و کامران ٹھہرتے ہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ صبر اور یقین کے درمیان منطقی تعلق کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

☆سلاح الموقن الصبر علی البلاء۔ اہل یقین کا اسلحہ بلاؤں اور سختیوں میں صبر کرنا ہے۔

☆الصبر ثمرۃ الیقین۔ صبر یقین کا ثمر ہے

☆ صبر یقین کی اولین شاخ ہے

صبر وایقان سے آراستہ امت کو، اسلام آفاقی وعالمی قیادت وسیادت کا منصب عطا کرتا ہے اور اپنے عظیم فرزندوں سے قائدانہ کردار ادا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

۲۔داعیانہ کردار:

دوسرا اہم کردار جو اسلام اپنے ماننے والوں سے لینا چاہتا ہے۔وہ یہ ہے کہ خدائی پیغام کو کرۂ ارض کے کوشہ کوشہ میں بسنے والے ہر انسان تک پہنچائیں۔یہ ذمہ داری فرد کی بھی ہے اور امت کی بھی۔ارشاد الٰہی ہوتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (حم سجدہ آیت ۳۲) بات میں اس شخص سے بہتر کون ہے جس نے لوگوں کو اللہ کیطرف بلایا اور نیک عمل کئے اور کہا کہ یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔ہر مسلم فرد جہاں وہ نیک اور صالح عمل بجالاتا ہے، وہاں اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی دعوت لوگوں تک پہنچائے اور اسی طرح من حیث الجموع امت پر بھی فریضہ عائد ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ تم ایک بہترین امت ہو لہٰذا

☆اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔............. لوگوں کیلئے نکلو

☆تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ........ ان کو نیکیوں کا حکم دو

☆وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ..... اور ان کو برائیوں سے روکو

☆وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ......... اور اللہ پر ایمان رکھے رہو۔

آیت صاف بتا رہی ہے کہ تمہارا بہترین امت ہونا دراصل مشروط ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے۔لہٰذا ضروری ہے کہ مسلم امہ کا ہر فرد ایمان باللہ کی شمع

اپنے دل میں روشن کرے، شرکی تاریکی دور کرنے کیلئے اس سے روشنی حاصل کرے اور امورِ خیر کی ادائیگی کے لیے حرارت وتوانائی حاصل کرے، پھر اسکے نور کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ اس شمع کی ضیا پاش کرنوں سے معاشرے کو بہرہ مند کرے تا کہ خیر کے اجالے کرۂ ارضی کے رداس میں پھیلتے چلے جائیں، یہاں تک کہ کذب وافترا، حرص وہوس، کفر وضلالت، بغض وعناد کے اندھیرے ہمیشہ ہمیش کیلئے ختم ہو جائیں، ہر سو محبت والفت امن واطمینان، رحمت وبرکت کا نور ہی نور ہو اور معاشرہ کلی طور پر اس نور کے سائے میں صراط مستقیم پر چلتے ہوئے، دارالسلام (سلامتی کے گھر) کی منزل کو پالے۔

اللہ سبحانہ حضرت مرسل اعظمؐ کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَدَاعِياً اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاْجًا مُنِيْراً (الاحزاب آیت ۴۶)

☆وہ اذن خدا سے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

☆اور یہ فریضہ ادا کرتے ہوئے ان کی حیثیت روشن چراغ کی سی ہے۔

چراغ کا یہ وصف ہے کہ وہ روشن بھی ہوتا ہے اور روشن گر بھی۔ پیروی رسولؐ میں یہ صفتِ چراغیت بقدر اہلیت اور حسبِ استعداد اسلام اپنے ہر فرد میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

۳۔شاھدانہ کردار:

اسلام کا دم بھرنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ محض تماشائی نہیں کہ جو طرفہ تماشہ ان کے سامنے ہوتا رہے، وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہیں۔ بلکہ وہ قافلہ انسانی کے قائد، داعی اور نگران ہیں۔ ان کے کاندھوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہے اور ان ذمہ داریوں کے حوالے سے بارگاہ الٰہی میں جوابدہ ہیں۔ ایمان باللہ کے تقاضوں کے

مطابق مسلم اُمہ انسانوں کے معاملات کی نگران اور گواہ ہے۔''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ آیت ۱۴۳)
ہم نے تم کو امت وسطیٰ بنایا تا کہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے اعمال کے گواہ رہیں۔''لغت میں وُسطیٰ کے معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان حدِ اوسط، جو افراط و تفریط سے دور ہو اور مقام اعتدال پر ہو۔اسی لئے امت تمام انسانوں پر گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔چونکہ دائیں بائیں کے انحرافات سے منزہ اور پاک ہے اور گواہی اور شہادت کے معیارات پر پورا اُترتی ہے۔اسی پاکیزگی و طہارت کے سبب شاہدانہ کردار کے اہل و سزاوار ہے۔اگر چہ اس آیت کے کامل ترین مصداق آئمہ اہلبیتؑ ہی ہیں مگر آیت اپنے اندر ایک وسیع اور عمومی مفہوم بھی رکھتی ہے۔

یہ کردار کب ادا ہوسکتے ہیں:

یہ تینوں کردار (قائدانہ، داعیانہ، شاہدانہ) اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتے جب تک اسلام دنیا کے کسی نہ کسی خطہ میں ایک معاشرے کی صورت میں جلوہ گر نہ ہوجائے۔ایسے خالی خولی نظریہ پر کان دھرنا ناممکن ہے جس کا عملی مظہر جیتی جاگتی سوسائٹی میں نظر نہ آئے۔دوسرے لفظوں میں ناگزیر ہے کہ اسلام ایک بار پھر اُمت کی شکل میں ظاہر ہو۔

افسوس کہ ان اوصاف و امتیازات کی حامل امت بہت جلد نہاں خانہ عدم کی نذر ہوگئی۔اور الٰہی نظریہ خلافت کو ملوکیت اور قہر و غلبہ کے مکر پر قربان کردیا گیا۔عقیدہ و ایمان کی بنیاد پر قائم ہونے والا معاشرہ، مہاجر و انصار کی ٹکڑیوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ایمانی بھائی چارہ کا اسلامی دستور حصول اقتدار کیلئے ہر قسم کے حیلوں، حربوں کی نذر ہوگیا۔

ملوکیت نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی بساط کو لپیٹ دیا۔باطل دساتیر کے ملبے کے اندر امت اپنی امتیازی روایات کے ساتھ دفن ہوگئی۔اسلام کی روشن راہیں غبار آلود ہوگئیں۔منحرف نظریات کی گہری کہر کچھ اس طرح چھائی کہ اسلام کا نہ وہ رنگ رہا نہ تاثیر۔

رنگ سے ہماری مراد.............................صبغة اللهی رنگ ہے

تاثیر سے ہماری مراد......................قولوا لا اله الاالله تفلحوا ہے

پھر مسلمان قوم اس حال کو پہنچی کہ نہ گرمیِ گفتار رہی اور نہ جرأتِ کردار۔جب ہم گرمیِ گفتار کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد ہے۔

☆قُلْ یَا اَیُّهَاالْکَافِرُوْنَ ۔لَا اَعْبُدُمَاتَعْبُدُوْنَ کہہ دو اے کافرو! میں نہیں عبادت کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔(سورہ الکافرون)

☆قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ کہہ دو! ماسوا اللہ واحد کے کوئی معبود نہیں اور میں ہر اس شے سے بری ہوں جس کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (انعام ۱۹)

جبکہ جرأت کردار سے ہماری مراد اسوہ ابراہیمی ہے۔

قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ابراہیم اور ان کے ساتھی تمہارے لیے نمونہ عمل ہیں۔اِذْقَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے دوٹوک کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔کَفَرْنَابِکُمْ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں۔وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا۔ہمارے تمہارے درمیان کھلم کھلا دشمنی ہے ہمیشہ کیلئے حَتّٰی تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ اس وقت تک یہ دشمنی اور عداوت چلتی رہے گی جب تک تم اللہ

واحد پر ایمان نہیں لاتے۔'اسوہ ابراہیمی نہیں تو کم از کم ان جادوگروں جتنا تو صاحب کردار ہونا چاہیے جنہوں نے حقیقت واضح ہو جانے کے بعد فرعون جیسے طاغوت کے سامنے اظہارِ ایمان کیا اور کہا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ـ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ۔ (شعرا ۴۸ـ۴۷) تو فرعون نے دھمکی دی کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹی سمت سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا، تو ان بندگانِ خدا نے دوٹوک الفاظ میں فرعون پر واضح کر دیا ـ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ۔ (شعراء ۵۰) جادوگروں نے جواب دیا کوئی پروا نہیں! تیرے اس عمل سے ہم اپنے پروردگار کے حضور لوٹ جائیں گے۔

احیاء امت:

اس کردار و گفتار کی حامل امت جس پر صدیوں کی گرد پڑ چکی ہے، جس کا وجود تاریخ کے صفحات میں کھو گیا ہے۔ جو انحرافی رنگوں کی وجہ سے اپنی شناخت سے محروم ہو چکی ہے۔ بے راہ روی اور کاہلی کی اوس نے اس کے بدن سے حرارتِ عمل کو چھین کر نیم مردہ کر دیا ہے۔ اس کے احیاء کی اشد ضرورت ہے اور احیائے امت کیلئے ضروری ہے کہ طولِ تاریخ میں اس لمحہ کو اور اس غلطی کو تلاش کیا جائے۔ جس کے سبب امت اس انجام کو پہنچی۔ گرامی القدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا!

''قریب ہے میں بلایا جاؤں اور مجھے جانا پڑے۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک خدائے بزرگ و برتر کی کتاب اور دوسری میری عترت۔ کتابِ خدا تو ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک دراز ہے۔ اور میری عترت میرے اہلبیت ہیں۔ خدائے لطیف و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں گے پس دیکھو! میرے بعد تمہارا سلوک ان کے ساتھ کیسا رہتا ہے؟ اگر ان سے

متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔''

مسلمانوں کی بدبختی اور نحوست کا آغاز اسی لمحہ ہو گیا تھا جب فرمان رسول اعظمؐ سے بے اعتنائی برتی گئی۔ان کی سنی عملاً ان سنی ہو گئی۔مسلمانوں کا رویہ قولِ رسول اکرمؐ سے متعلق کچھ یوں رہا۔اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ۔لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔(انبیاء۲،۳)سوائے اس کے نہیں کہ (نبی کی) بات سنتے تو ہیں مگر سننے کے بعد کھیل کود میں اُڑا دیتے ہیں۔ان کے دل (دراصل نبیؐ سے) غافل ہیں۔اس مجرمانہ غفلت اور بے اعتنائی نے اس المناک صورتحال سے دوچار کر دیا۔جس کا سامنا آج مجموعی طور پر پوری دنیائے اسلام کو ہے۔سربلندی اور سرفرازی کے ضامن قرآن و اہلبیتؑ ،لفظی محبت اور عملی نافرمانی کا شکار ہو کر رہ گئے۔حالانکہ منزل انہیں ملا کرتی ہے جو نبی کی بات سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے۔فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔ اے رسولؐ! خوش خبری دو! ان بندوں کو جو بات سنتے ہیں اور پھر اسکے مطابق احسن عمل کرتے ہیں وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (زمر۱۸۔۱۷) یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ عقلمند ہیں۔اس کربناک ماحول میں نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ پیغمبر اسلام کی وصیت سے عملی رشتہ استوار کیا جائے۔حدیثِ ثقلین کو رہنما اُصول کے طور پر مانا جائے اور اسی کی روشنی میں راہ عمل کا تعین کیا جائے۔

قرآن:

☆حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

''قرآن خدا کی طرف سے بندوں کیلئے ایک عہد نامہ اور فرمان ہے۔ہر مسلمان کو

چاہیے کہ اس عہدنامہ کو روزانہ دیکھا کرے اور اس کی تلاوت کیا کرے''۔

☆حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''جو شخص چاہتا ہو کہ اسے نیکوں کی زندگی اور شہید کی موت نصیب ہو، اس دن اسے شاندار کامیابی ملے، جس دن حسرت کے سوا کچھ نہ ملے گا اور وہ یہ چاہتا ہو کہ قیامت کی گرمی کے موقع پر اسے سایہ نصیب ہو اور گمراہی کے مواقع پر ہدایت اسکے قدموں سے لپٹی ہو تو اسے چاہیے کہ قرآن مجید کا درس حاصل کرے اور اس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو یعنی قرآن پڑھے اور پڑھائے کیونکہ جو قرآن پڑھاتا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں عزت وشرف کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن رحمٰن کا کلام ہے۔ شیطان کے فریب سے بچنے کا حرز ہے اور میزان کے پلڑے کو بھاری کرنے کا ذریعہ ہے''۔

☆حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا

''تم قرآن کی کھیتی بونے والے اور اسکے پیروکار بنو اور اُسے پروردگار تک پہنچنے کیلئے دلیل راہ بناؤ۔''

عبد اور معبود کے درمیان اس عہد نامہ کو روزانہ پڑھنے اور یاد رکھنے کی بجائے غلاف درغلاف لپیٹ کر طاق میں رکھدیا گیا۔ شرف انسانی کی ضامن کتاب کو خوبصورت جلدوں میں بند کر دیا گیا۔ یوں پروردگار تک پہنچانے والی کتاب ہماری معاشرتی وثقافتی زندگی سے بے دخل ہوگئی۔ قبرستانوں میں مردوں کو سنانے اور بخشوانے کیلئے اس کی تلاوتوں کا رواج ہوگیا۔ پھر اشاعتی اداروں نے تجارتی مقاصد کیلئے اس کے جہیز ایڈیشن تیار کر لئے اور یوں یہ خدا اور بندے کے درمیان دستور وپیمان دوسری

اشیاء کی طرح جہیز کی شے بن گئی۔

اِنَّ ھٰذَاالْقُرْآنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ .... (بنی اسرائیل ۹)

یہ قرآن اس راستے کیطرف ہدایت کرتا ہے جو سیدھا اور صاف ہے۔

ظاہر ہے کہ ہدایت اسے حاصل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو ہدایت کیلئے قرآن کے سامنے پیش کردے اور اس سے ہدایت کا طلبگار رہو۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْر" لِّلْعَالَمِیْنَ لِمَنْ شَاءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْم ۔

یہ قرآن عالمین کیلئے نصیحت ہے مگر اس کیلئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے۔

شِفَاء" لِّمَا فِیْ الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یونس ۵۷)

قرآن کی یہ تمام نوازشات اس کیلئے ہیں جو بطریقِ اخلاص اسکے عطا کردہ دستور العمل کی پابندی کرے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مریض اپنے مرض کے سلسلے میں کسی ماہر معالج سے رجوع کرے۔ معالج بھی انتہائی دقتِ نظر سے اپنے مریض کا معائنہ کرے اور مکمل معائنہ کے بعد ایک بہترین نسخہ تجویز کردے۔ اس میں تمام ضروری ادویات اور ان کا مکمل استعمال لکھ دے۔ کون سی دوا کس مقدار میں کھانا ہے، دن میں کتنی بار کھانا ہے، کتنی مدت تک کھانا ہے کس چیز سے پرہیز کرنا ہے۔ کن کن احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ مگر وہ مریض یہ نسخہ حاصل کرنے کے بعد اسکو ایک خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر ایک قیمتی صندوقچی میں بند کر کے رکھ دے، تو کیا یہ مریض شفایاب ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اچھا! اب وہ روزانہ تلاوت کرے اور باوضو ہو کر کرے یہاں تک کہ اس کے تمام مندرجات مریض کو لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف یاد ہو جائیں۔ بعد از تلاوت پھر

نسخہ بصد احترام ڈبیہ میں بند کردے تو کیا یہ مریض ممکن ہے کہ صحت مند ہو جائے؟ ہرگز نہیں۔کوتاہی کس کی ہے؟ یقیناً مریض کی۔ جس نے سب کچھ کیا مگر نسخہ میں درج ہدایات پر عمل نہیں کیا۔قرآن کے ساتھ ہمارا رویہ اسی مریض جیسا ہے۔اسی رویہ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔قرآن شفا بخش ہے مگر اس کیلئے جو اس کے ہدایت نامہ کے مطابق عمل کرے۔اس کے بتائے ہوئے اُمور سرانجام دے۔جن سے وہ روکے رک جائے۔جو وہ کھانے کو کہے صرف وہی کھائے۔اور اتنی ہی مقدار میں کھائے جو اس نے بتائی ہے۔جن چیزوں سے اجتناب کا کہے ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا تھا

"ایک وقت آئے گا جب قرآن کا بار اُٹھانے والے اسے پھینک کر الگ
کر دیں گے۔اور حفظ کرنے والے اس کی تعلیم بھلا بیٹھیں گے" (نہج البلاغہ)

اہل اسلام کا معتد بہ حصہ تو وہ ہے جس نے قرآن کے بار کو اُتار پھینکا ہے۔معدودے چند افراد جو تلاوت کرتے ہیں اور قرآن کو یاد کرتے ہیں وہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کی رو سے تین قسم کے ہیں۔

i)۔ ایک وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھ کر اسے دنیا کمانے اور مال و دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنی قرآن خوانی پر لوگوں میں فخر کرتے ہیں۔

ii)۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھ کر اس کے الفاظ وعبارات کو حفظ کر لیتے ہیں لفظوں کی درستگی میں کوشش کرتے ہیں مگر اسکے احکام سے بےخبر اور عمل سے غافل ہیں۔

iii)۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھ کر اسے اپنے درد دل کی دوا بناتے ہیں، راتوں کو اس

کیلئے جاگتے ہیں، دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔ مسجد میں نماز کیلئے دل لگائے کھڑے رہتے ہیں، قرآن کی تلاوت میں صبح سے شام اور شام سے صبح کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی برکت سے خداوند عالم آفات اور بلاؤں کو اپنے بندوں سے دور رکھتا ہے اور مسلمانوں کو دشمنوں پر غالب کرتا ہے۔ آسمان سے باران رحمت کا نزول فرماتا ہے۔ خدا کی قسم ایسے قرآن پڑھنے والے کبریت احمر سے بھی کم ہیں"۔

مسلمانو! قرآن مجید کے حق کو ادا کیجئے۔ اپنی معاشرتی وثقافتی زندگی کیلئے منشور قرار دیجئے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کو غور سے سنئے جو فرماتے ہیں

"یا ایھا الناس! جب فتنے شب تاریک کی طرح چھا جائیں تو قرآن سے تمسک کرنا وہ حقدارِ شفاعت بھی ہے اور فتنوں کا ازالہ کرنے والا بھی۔ جو اسے سامنے رکھے گا (رہنما بنائے گا) وہ اسے جنت کیطرف لے جائے گا، جو اسے پس پشت ڈال دے گا، اسکا راستہ جہنم کی طرف ہوگا۔ قرآن بہترین راستے کا بہترین راہنما ہے۔"

اہل بیت علیہم السلام:

دوسری گرانقدر چیز جو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت میں چھوڑی اور اسے قرآن کے ہم پلہ قرار دیا۔ وہ اہل بیتؑ ہیں۔ پھر آپؐ نے اہل بیتؑ کا تعارف کرانے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آپؐ نے مسلسل چھ ماہ تک معمول بنائے رکھا، کہ جب بھی آپؐ نماز کیلئے تشریف لے جاتے تو پہلے خانہ فاطمۃ الزہراؑ پر آتے اور با آواز بلند فرماتے۔ الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔ پھر آیت تطہیر کی تلاوت کرتے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (احزاب ۳۳) اے اہل بیتؑ نماز کو چلیے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرلیا ہے کہ

رجس اور ناپاکی کو تم سے دور رکھے اور تمہیں پاک و پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔اسی طرح بہت سارے اور مواقع پر آپؐ نے اہل بیتؑ کی شناخت عملاً اور قولاً کرا دی کہ یہی قرآن کے ساتھی ہیں۔یہی قرآنی راہوں میں ہادی اور رہنما ہیں۔یہی دینی و دنیوی فلاح وفوز کے ضامن ہیں۔پھر آنحضرتؐ نے فرمایا

''ستارے زمین کے باشندوں کیلئے غرقابی سے امان ہیں اور میری اہل بیتؑ میری اُمت کے اختلاف کے وقت امان ہیں پس میری اہل بیتؑ کی مخالفت کوئی عرب کرے گا تو وہ اس اختلاف کی وجہ سے ابلیس کی جماعت بن جائے گا۔''

اور یہ بھی فرمایا:

''میرے اہل بیتؑ کی مثال تم میں بنی اسرائیل کے بابِ حطہ کی مانند ہے جو اس میں داخل ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا''

ہائے افسوس! کہ ادھر رسول کی آنکھیں بند ہوئیں، اُدھر مسلمانوں نے اہل بیتؑ سے آنکھیں پھیر لیں۔اہل بیتؑ سے متعلق تمام نبویؐ ہدایات مسلمانوں کے ذہنوں سے یکسر محو ہو گئیں۔اور منصوبہ بندی یہ کی گئی کہ نبوت اور خلافت ایک خاندان میں اکٹھا نہ ہونے پائے حالانکہ نبوت و خلافت دونوں خدائی فضل ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نساء ۵۴)

اللہ نے اپنے فضل سے محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو کتاب دی، کتاب کا علم عطا کیا، حکمت و دانائی عطا کی اور امامتِ عالم کے لیے منتخب فرمایا۔تو ابو سفیانی اور ابولہبی حسد کی آگ

میں جلنے لگے۔تاریخ میں اس آگ کے شعلے بدر سے لیکر کربلا تک پھیلے ہوئے ہیں۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفوی

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

وفات رسولؐ کے بعد اس آگ کا پہلا نشانہ فاطمۃ الزہرأ کا گھر بنا۔آنحضرتؐ کے ارتحال کے بعد حالات نے جو کروٹ لی۔اس پر سید المرسلینؐ کی دانا اور زیرک صاحبزادی نے اپنے الہامی خطبہ میں یوں تبصرہ کیا ہے۔

''جب خداوند عالم نے پیغمبروں کی رہائش گاہ کو اپنے پیغمبرؐ کے لئے منتخب فرمایا تو ناگہاں دلوں میں پوشیدہ کینہ اور نفاق ظاہر ہوگیا۔دین کی نقاب اُلٹ دی گئی۔گمراہ افراد بولنے لگے۔گمنام افراد سر بلند ہونے لگے، باطل کے نعرہ بلند ہونے لگے اور معاشرے میں سازشیں شروع ہوگئیں۔شیطان نے اپنی بھٹ سے سر باہر نکالا تم کو اپنی طرف بلایا،تو تم کو اپنی دعوت اور فریب کا منتظر پایا،پھر اس نے تم کو(اپنے مفادات کیلئے) قیام کی دعوت دی،تو تم کو آمادہ پایا۔تمہارے دلوں میں انتقام اور غصہ کی آگ بھڑکائی۔ تو غصہ کے آثار تمہارے چہرے سے نمایاں ہوگئے۔''

حالات کی اس تلخی وتندی میں اپنے بارے میں جناب سیدہ عالمؑ نے فرمایا!

''ہم نے صبر ہی کو بہتر جانا لیکن اس طرح جیسے کسی کے گلے پر تلوار ہو اور سینہ پر نیزہ ہو۔''

وہ دن اور آج کا دن کینہ وعناد کی یہ تیغ ستم شعار اولادِ فاطمۃ الزہرأ کے گلوں پر چلتی آرہی ہے۔مقتل سجتے رہے اور زندان آباد ہوتے رہے۔یہاں تک کہ شہادت وزندان بنی فاطمہؑ کا ورثہ قرار پائے۔ابتری کی اس کیفیت میں اہل بیتؑ ہدایت کا

فریضہ ادا کرتے تو کیسے کرتے ؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہدایت پانے کیلئے ضروری ہے کہ انسان میں آمادگی اور احساسِ زیاں پایا جائے، مگر مسلمانوں کے دلوں میں آمادگی اور احساس کی جگہ بغض وحسد نے لے لی۔ بالآخر حضرت امام جعفر صادقؑ کو کہنا پڑا۔ نحن المحسودون۔ ہم ہیں کہ جن سے سب سے زیادہ حسد کیا گیا۔ ان تمام کارستانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ آسمانِ ہدایت کے درخشاں ستارے ایک ایک کر کے تہہ خاک پوشیدہ ہو گئے اور آخری ستارے کو غیبت کے پردوں نے ڈھانپ لیا۔ یوں کجروی اور بدعملی کے دھندلکوں نے راستے اور منزل کو غیر واضح کر دیا ابن حجر لکھتا ہے کہ سرورِ کائناتؐ سے پوچھا گیا کہ اہل بیتؑ کے بعد لوگوں کی زندگی کیسے بسر ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا!

"ان کی زندگی بس ایسے ہی ہوگی، جیسے اس گدھے
کی زندگی، جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہو"۔

اسلامی معاشرہ ...قران اور علی کی نظر میں

اسلامی معاشرہ........ قرآن اور علیؑ کی نظر میں

بہت سارے افراد اپنے اپنے سفر پر نکلے تو ان کا گزر ایک وسیع اور گھنے جنگل سے ہوا۔سارے دن کی مسافت اور سورج کی گرمی نے ان کو شدید پیاس میں مبتلا کر دیا۔ مگر تلاشِ بسیار کے باوجود ان کو کہیں ذخیرہ آب میسر نہ آیا۔اب کیا کریں؟ کیا اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیں اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر پیاسے مر جائیں یا پھر باہم مل کر ایک کنواں کھودیں اور اپنی پیاس بجھائیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ یہ افراد ہمارے اور آپ کے غیر نہیں بلکہ تمام قافلہ انسانی کے فرد ہیں جو اپنے اپنے سفر حیات کو اسی دنیا میں طے کر رہے ہیں اور انکو دوران سفر شدت پیاس ہی کا سامنا نہیں بلکہ وہ تمام ضروریاتِ حیات کی احتیاج رکھتے ہیں۔ان میں خوراک،لباس،مکان اور دیگر ضروریات زندگی شامل ہیں۔اس نظریے کے مطابق قافلہ انسانیت میں شامل تمام افراد نکلے تو ،تنہا ہی تھے لیکن ضرورتوں کے جبر نے ،انکو ایک معاشرے اور ایک تمدن کی صورت میں مل جل کر رہنے پر مجبور کر دیا۔

اس نظریے کے مقابل ایک اور طرز فکر یہ ہے کہ چونکہ انسان صاحبِ عقل و دانش جاندار ہے لہٰذا یہ اس کی دانش وفہم کا تقاضہ ہے کہ وہ اشتراکِ عمل سے دنیاوی وسائل بروئے کار لائے اور ان سے بہتر انداز میں زیادہ سہولتیں حاصل کرے اور بہتر مفادات ومنافع کمائے۔

پہلا نظریہ ضرورتوں کے جبر کا نظریہ ہے۔جس میں ہر انسان اپنی اپنی

ضرورتوں کا مزدور ہے۔ وہ اپنی محنت و مشقت کے بدلے معاشرے سے اپنے لیے روٹی کپڑا اور مکان حاصل کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جبر کے ماحول میں پروان چڑھنے والا بچہ ہمیشہ منتقم مزاج اور مجرمانہ ذہنیت کا حامل ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے نظریے نے پورے انسانی معاشرے کو ایک بڑی ٹریڈنگ کمپنی میں تبدیل کر دیا ہے۔ جس میں ہر فرد اپنی عقلی مہارت کی بنا پر، اپنے خودغرضانہ مفادات حاصل کر رہا ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں خودغرضی، مفاد پرستی کے رویے ہی فروغ پا سکتے ہیں۔ نہ کہ صحت مند اخلاقی رویے۔ ان دونوں نظریوں کے مقابلے میں اسلام کی ترجمان کتاب، قرآن اپنا زاویہ نگاہ سورۃ روم آیت نمبر ۲۱ میں یوں بیان کرتی ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ کہ اس نے تمہارا جوڑا تم میں سے پیدا کیا ہے۔ لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا۔ تا کہ تم اس سے سکون حاصل کرو۔ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت کو قرار دیا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اس میں صاحبانِ فکر کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیت بڑی وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ انسان تنہا تنہا راہِ حیات طے نہیں کر رہا بلکہ اس کے خالق نے اس کو پیدا ہی جوڑوں کی شکل میں کیا ہے۔ اور یہ جوڑے نہ تو ضرورتوں کی بنیاد پر، اور نہ ہی منافع خوری کی غرض سے بنائے گئے ہیں۔ بلکہ ان کی سرشت اور جبلت میں محبت، مودت اور رحمت کو رکھ دیا گیا ہے۔ وہ اکٹھے رہتے ہیں تو پیار و محبت کی بنیاد پر، یہ جوڑے خاندان تشکیل دیتے ہیں جو

کہ اجتماعی زندگی کی اکائیاں ہوتی ہیں۔ یہی اکائیاں مل کر ایک بڑا معاشرہ تخلیق کرتی ہیں۔ اب اس معاشرے میں نہ تو جنگل کا جبری قانون اور نہ ہی جنگلی جانوروں کی ہولنا کی بلکہ محبت کی فراوانی اور اخلاق کی حکمرانی ہے۔ اسی طرح سورہ فرقان آیت ۵۴ میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے

''اللہ وہ ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ فَجَعَلَهُ نَسَباً وَّ صِهراً پس انسان کیلئے نسب بنایا اور سسرالی رشتے قائم کیے۔''

تخلیق آدم کے وقت جوڑے ہی کو پیدا کیا گیا اور جس نے ایک خاندان ہی کی طرز پر آغاز حیات کیا۔ جب ان میں جدائی واقع ہوئی تو ایک دوسرے کے لئے ان کی اُداسی ،ان کی باہمی محبت کی عکاسی کرتی ہے نہ کہ ضرورتوں اور منافع کی ۔اسلام اس بات کا مدعی ہے کہ انسان طبعًا اصلاً اور فطرتاً مدنیت پسند ہے۔ وہ تمدن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ اس کی جبلت کا تقاضا ہے کہ وہ بستیاں بسائے ،شہر آباد کرے اور اجتماعی طرز معاشرت اختیار کرے۔

اسلامی معاشرے میں فرد اور اجتماع کا تعلق ایسے ہے جیسے جسم اور اعضاء کا۔ تمام اعضاء اپنا جداگانہ تشخص رکھنے کے باوجود جسم سے الگ نہیں رہ سکتے ۔ ہر حصہ کام کرتا ہے مگر اس انداز سے کہ، نہ تو وہ دوسرے اعضاء کا مزدور ہے اور نہ ہی تجارت کر رہا ہوتا ہے ۔اعضاء یہ کام جبراً و کرہاً نہیں کرتے ، بلکہ سب محبتوں کے نظام میں اسطرح جڑے ہوئے ہیں کہ کسی جز کو دوسرے سے نہ شکوہ ہے نہ شکایت ۔سب ایک ہی روح کے تابع فرمان ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں مثل المومنین فی

تـوادهـم وتـراحـمهم كمثل الجسد اذاشتكى بعض تداعى له سائرُ اعضاء جسـده بالحمى والسهر۔ ''مومنین میں جو آپس میں محبت و ہمدردی ہے اسکے لحاظ سے ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے۔ جب جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سب اعضاء ایک دوسرے کو اس کی اطلاع دیتے ہیں اور بخار اور بے خوابی کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے''۔

ایک مسلمان فرد پر جو روح حکمرانی کرتی ہے وہ ہے ''امر ربی'' اور اسلامی معاشرے پر بھی ایک روح حکمران ہے، وہ ہے۔اِنَّ الاَمۡـرَ کُـلَّهُ لِلّٰهِ (آل عمران ۱۵۴) فرد اور معاشرہ جب ایک روح ''امرِ الٰہی'' کے تابع حرکت کرتے ہیں تو نتیجتاً ''لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمُ اللہ کے کسی امر کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُوۡمَرُوۡنَ تحریم ۶) وہ وہ کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں پروردگار نے حکم دیا ہے۔ بلکہ مثالی اور ارفع منزل وَمَـا تَشَـاءُ وۡنَ اِلَّا اَنۡ یَّشَاءَ اللّٰهُ (دہر ۳۰) کی ہے جہاں خدا کا بندہ اپنی چاہتوں کو بھی اپنے پروردگار سے منسلک کر دیتا ہے۔

اسلامی معاشرے کے دیگر امتیازات یہ ھیں:

(۱) اسلامی معاشرے کا اطلاق صرف انسانوں کی بستی پر نہیں ہوتا، وَلَـهُ اَسۡلَمَ مَنۡ فِـى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡض۔(آل عمران ۸۳) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ مسلمان ہے اور اسلامی معاشرے کا حصہ ہے لہٰذا اسلامی معاشرہ آفاقی اور کائناتی معاشرہ ہے۔

(۲) یہ معاشرہ ایک مدبر، مقتدر ہستی کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ اس کی نگرانی اس قدر سخت ہے کہ وہ ہر لحظہ فرد اور معاشرے کے افعال و اعمال کو ریکارڈ کر رہا ہے۔ اس کی نگرانی سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے۔ یَـعۡـلَـمُ مَایُسِرُّوۡ نَ وَمَا یُعلِنُوۡنَ وہ تمام امور سے

آ گاہ ہے جو چھپ چھپا کر کئے جاتے ہیں یا اعلانیہ،صرف یہی نہیں بلکہ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ(ہود۵)وہ تو سینوں میں پوشیدہ نیتوں سے بھی آ گاہ ہے۔

(۳) یہ معاشرہ دراصل حقوق،فرائض اور جوابدہی کی ایک مثلث (Triangle) ہے۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں"لا یری لا حدالا جری علیه ولا یجری علیه الا جری له "جس کا کچھ حق ہے اسکے ذمہ کچھ فرض بھی ہے اور جس کے ذمہ کچھ فرض ہے،اسکا کچھ حق بھی ہے۔''اور جہاں فرض عائد ہوتا ہے وہاں جوابدہی کی منزل سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ حقوق کی اہمیت کے پیش نظر حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے حقوق کو توحید کے دامن سے باندھ دیا ہے حضرت امیر المومنینؑ حقوق مسلمین کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے نہج البلاغہ کے خطبہ۱۶۶ میں فرماتے ہیں''اِتَّقُوا اللّٰه فی عباده اللہ سے ڈرو اسکے بندوں کے بارے میں، وَبِلَادِه اور اسکے شہروں کے بارے میں، فَاِنَّكُمْ مَسْئُوْلُوْنَ۔ تم سے ہر ایک چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا' کیونکہ یہ سب اسلامی معاشرے کا حصہ ہیں۔اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَلَا تَعْصُوْهُ۔''اللہ کی اطاعت کرو اور سرتابی نہ کرو۔''زمین کا حق کیا ہے؟اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ہود۶۱) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس کی آبادی تمہارے سپرد کردی۔ حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ فرماتے ہیں''جسے زمین اور آبیاری کیلئے پانی میسر ہو اور وہ پھر نادار رہے تو اللہ اسے مجھ سے دور رکھے'' آپ نے زمین کے اس حق کو یوں ادا کیا ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتا ہے۔

''سب کو معلوم ہے کہ امیر المومنینؑ نے مدینہ،ینبع اور سویعہ میں بہت سے چشمے

کھود نکالے، بہت سی افتادہ زمینوں کو آباد کیا اور پھر ان سے اپنا قبضہ اٹھالیا اور مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا وہ اس حالت میں دنیا سے اٹھے کہ کوئی چیز اپنی ملکیت نہ تھی۔''

ان سب کو وقف کرنے کے بعد حسنین شریفینؑ کے نام وصیت لکھ دی کہ وہ متولی ہوں گے اور بحیثیت متولی انکے لیے یہ ہدایات جاری کیں۔

''جو اس جائیداد کا متولی ہو اس پر یہ پابندی عائد ہوگی کہ وہ مال کو اس کی اصلی حالت پر رہنے دے اور اسکے پھلوں کو ان مصارف میں جن کے متعلق ہدایات کی گئی ہیں تصرف میں لائے اور یہ کہ وہ ان دیہاتوں کے نخلستانوں کی نئی پود کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ ان دیہاتوں کی زمین میں نئے درختوں کے جم جانے سے عالم ہی دوسرا ہو جائے۔''

جانوروں کے حقوق کے متعلق امیر المومنینؑ نے فرمایا:

(۱) اپنے شکموں کو جانوروں کا مقبرہ نہ بناؤ

(۲) جانوروں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو۔

(۳) ان کو زخم نہ لگاؤ

(۴) ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادو''

جن کارندوں کو زکوۃ وصدقات کی وصولی کیلئے بھیجتے تو ہدایات جاری کرتے کہ

''اونٹوں کو کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا جو خیر خواہ، خدا ترس، امانتدار اور نگران ہو، کہ نہ تو ان پر سختی کرے اور نہ دوڑا دوڑا کر انہیں لاغر اور خستہ کر دے۔ وہ اونٹنی اور اسکے دودھ پیتے بچے کو الگ الگ نہ رکھے اور نہ ہی اسکا سارا دودھ دوھ لے کہ بچے کیلئے ضرر رساں ہو۔''

ابو طالبؑ کے بیٹے کے ہاں حقوق کی اسقدر اہمیت ہے کہ وہ ایک چیونٹی کے منہ سے جو کا ایک چھلکا چھیننا پسند نہیں کرتے اگر چہ اس کے بدلہ میں ان کو ہفتِ اقلیم کی سلطنت ہی کیوں نہ دے دی جائے۔

''واللہ لو اعطیت الا قالیم السبعة بما تحت افلاکھا علی ان

اعصی اللّٰہ فی نملةٍ اسلبھا جلب شعیرة مافعلتہ''(فرمان حضرت علیؑ)

اسلام حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی بجا آوری کا نام ہے، جبکہ سیرت علیؑ نام ہے، احسان کا، انفاق کا، مواسات کا، ایثار کا اور حسن سلوک کا۔ آپؑ نے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق کو بھی اسلامی برادری کے محروم و پسماندہ طبقات پر نچھاور کر دیا۔ قنبر امیر المومنینؑ کے غلام تھے، جب بازار سے دو لباس خرید کر لائے تو قیمتی لباس قنبر کو عطا کرتے ہوئے فرمایا۔

''تم جوان ہو اور تم میں جوانی کا ولولہ ہے مجھے پروردگار سے

شرم آتی ہے کہ میں لباس میں اپنا معیار تم سے بلند رکھوں۔''

اسی طرح جناب فضہؑ جو بحیثیت خادمہ خانہ علیؑ میں آئیں۔ اس کیلئے دستور قرار دیا گیا کہ ایک دن فضہؑ کام کرے گی اور دوسرے دن آرام۔ جب فضہؑ آرام کرے گی تو فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا گھر کا کام کریں گی۔ گویا حضرت علیؑ کے گھرانے کا دستور یہ ہے کہ ایک دن فضہؑ پر کام فرض ہے اور دوسرے دن آرام، فضہؑ کا حق ہے۔

علیؑ اور اولادِ علیؑ کے مثالی اسلامی و انسانی رویوں کی گواہی قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے۔ ''وَيُطعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيناً وَّيَتِيماً وَّاَسِيرًا'' وہ اللہ کی محبت میں

مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور اِنَّما نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ۔ یہ تو خوشنودی خدا کیلئے کھلاتے ہیں بس نہ وہ کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ ستائش۔''(دہر۸،۹)علوی سماج کا زریں اور اٹل اصول ہے کہ الجار ثم الدار۔ پہلے ہمسائے پھر اپنے گھر والے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دین کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو جملے ارشاد فرمائے

التعظیم لامر اللّٰہ.................... امر الٰہی کی تعظیم کرنا

والشفقة علی خلق اللّٰہ.... اور مخلوق خدا پر شفقت کرنا

علیؑ ابن ابیطالبؑ کو اگر نبوی میزان کے ان دو پلڑوں میں تو لا جائے تو علیؑ سراپا دین نظر آتے ہیں۔ کعبۃ اللہ میں ساعتِ ولادت سے لیکر مسجدِ کوفہ میں فزت برب الکعبہ کے شعارِ شہادت تک علیؑ کی زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا، جو اطاعت الٰہی سے خالی ہو، جبکہ مخلوق خدا پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ حلوان اور ہمدان کے صوبوں سے شہد کے بھرے ہوئے مشکیزے آئے، تو اعلان کروا دیا، کہ شہر کے تمام یتیم اور نادار بچے علیؑ کے پاس جمع ہو جائیں۔ بچے اکٹھے ہو گئے تو خود بہ نفس نفیس پیالوں میں شہد بھرا اور بچوں کو کھلانا شروع کر دیا اور فرمایا ''امام یتیموں کا باپ ہوتا ہے اور میں نے اسی پدری تقاضے کی بنا پر انہیں شہد چاٹنے کو دیا''۔

بنیادی انسانی حقوق، ایسا پیمانہ ہیں جن کے ذریعے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کوئی معاشرہ کس قدر مہذب اور متمدن ہے۔ یہ طرہ امتیاز اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے عالم انسانیت کو اسوقت بنیادی حقوق عطا کئے، جب دنیائے معاشرت

بنیادی حقوق نام کی کسی شے سے آشنا نہ تھی۔ اسلام نے اپنے پیغام کا آغاز بھی اسی خطہ سے کیا، جہاں اولادِ آدمؑ کو رنگ، نسل، زبان اور جنس کی بنیاد پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ معاشی ناہمواری، طبقاتی کشمکش، لسانی اور خاندانی عصبیت پورے عروج پر تھی۔ انسانی قدروں کے حوالے سے انحطاط پذیر معاشرے کیلئے اسلام نے اپنا پیغام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یوں سنایا۔ یاد رکھئے کہ اسلام میں رسول واجب الطاعت ہوتا ہے، اور اس کا حکم بجالانا ضروری ہے۔

"ایھا الناس ان ربکم واحدوان اباکم واحد کلکم من ادم
وادم من تراب لا فضل لعربی علی عجمی الا با لتقوی۔"
لوگو! تم سب کا خدا ایک، تم سب کا باپ ایک، تم سب اولادِ آدمؑ ہو، آدمؑ
خاک سے وجود میں آئے، تم سب بھی خاک سے وجود میں آئے،
فضیلت کا دارو مدار صرف تقویٰ پر ہے۔ لہٰذا عرب یہ نہ سمجھیں کہ ان کو
عجمیوں پر کوئی برتری حاصل ہے۔

انسانی حقوق میں سے چار حق بہت بنیادی اور اساسی اہمیت کے حامل ہیں اور وہ یہ ہیں۔
۱۔ احترامِ آدمیت ۲۔ حریتِ فکر و عمل ۳۔ آزادیِ اظہار ۴۔ طبقاتی و معاشی مساوات
ان کے بارے میں قرآنی نظریہ اور سیرت علیؑ کیا ہے؟ ذرا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

(ا) احترامِ آدمیت:

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پہلی انسانی ہلاکت جو کرۂ ارض پر ہوئی، وہ کسی جانور کے خونی پنجوں اور جبڑوں کے سبب نہ ہوئی، بلکہ یہ خود حضرتِ انسان کی ہی کارگزاری

تھی ۔اور پھر روز اول سے لیکر آج تک جتنی انسانی جانوں کا ضیاع انسانی ہاتھوں سے ہوا، اتنا حیوانی درندوں نے نہیں کیا۔اس لئے یہ ضروری ہوا کہ حیوانوں کیلئے نہیں بلکہ انسانوں کیلئے ضابطہ اخلاق بنایا جائے اور انہیں معاشرتی آداب سکھائے جائیں ۔لہٰذا قرآن نے سورۃ مائدہ میں قتل ہابیل کا ذکر کرنے کے فوراً بعد حرمت نفس انسانی سے متعلق اپنے سنہری اور کبھی نہ بدلنے والے اصول کا اعلان کر دیا۔

"مَن قَتَلَ نَفساً بِغَیرِ نَفسٍ اَوفَسَادٍ فِی الاَرض ۔جس نے کسی متنفس کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو یا زمین میں فسادانگیزی کی ہو قتل کر دیا ہو۔فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیعاً۔اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔وَمَن اَحیَاھَا ۔جس نے ایک نفس کو زندہ رکھا۔فَکَاَنَّمَا اَحیَاالنَّاسَ جَمِیعًا ۔تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔"

صرف یہی نہیں کہ ایک آدمی کسی دوسرے کی جان نہ لے بلکہ کوئی اپنی جان کے خاتمہ کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔اسلام خودکشی کو حرام قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ۔وَلَا تَقتُلُوا اَنفُسَکُم اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔(نساء ۲۹)

بعد از رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنی تعلیمات کے سب سے بڑے عامل علیؑ نے ہمیشہ احترام آدمیت کے اصول کو ملحوظ خاطر رکھا۔صرف اور صرف اسی وقت جنگ کی جب وہ ان پر مسلط کر دی گئی اور آپ دفاع پر مجبور ہو گئے یا جب کسی نے فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکائے ،تو آپ نے صرف قیام امن کیلئے تلوار اٹھائی ، جو بذات خود احترام آدمیت کا تقاضا ہے ۔ایک لشکر کو جب روانہ کیا تو سالارِ لشکر کو ہدایت دی کہ

''دیکھو ایسا نہ ہو کہ ان کی عداوت تمہیں اس پر آمادہ کر دے کہ حق کی دعوت دینے سے پہلے جنگ کرنے لگو'' اسی طرح جب صفین کے میدان میں صفیں آراستہ ہو گئیں تو اپنے لشکریوں کو اس طرح ہدایات دیں۔

☆جب تک وہ پہل نہ کریں تم جنگ نہ کرنا۔

☆خبردار جب دشمن میدان جنگ چھوڑ کر بھاگے تو کسی پیٹھ پھیرنے والے کو قتل نہ کرنا۔

☆کسی بے دست و پا پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

☆کسی زخمی کی جان نہ لینا۔

☆عورتوں کو اذیت نہ دینا اگر چہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں۔

آپؑ حقوق انسانی کے اتنے بڑے علمبردار ہیں کہ اپنے قاتل کے معاملے میں بھی ان حقوق کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۱۹ رمضان المبارک کی صبح جب عبدالرحمان ابنِ ملجم نے آپؑ کو ضرب لگائی تو آپؑ نے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور وصیت فرمائی

''اے عبدالمطلبؑ کے بیٹو! ایسا نہ ہو کہ تم امیر المومنینؑ قتل ہو گئے، امیر المومنینؑ قتل ہو گئے کے نعرے لگاتے ہوئے، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے لگو۔ میرے بدلے میں صرف میرا قاتل ہی قتل ہو اور اسکو صرف ایک ہی ضرب سے قتل کرنا۔ اسکے ہاتھ پیر نہ کاٹنا کیونکہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ خبردار کسی کے ہاتھ پیر نہ کاٹو اگر چہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو''۔(نہج البلاغہ)

جنگِ صفین کے موقع پر اپنے ساتھیوں میں سے چند آدمیوں کو سنا کہ وہ

شامیوں کو گالیاں دے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا "تم گالم گلوچ کے بغیر یہ کہو کہ خدایا ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تا کہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی و سرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رُخ موڑ لیں"۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۴)

(۲) حریت وفکر و عمل:

اسلام شہری اور شخصی آزادیوں کا دین ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص خارجی دباؤ سے بے نیاز ہو کر آزادانہ طور پر اپنے لیے عقیدہ کا انتخاب کرے اور اس کی روشنی میں راہِ عمل متعین کرے۔ اس سلسلے میں اسلام کا ابدی اور سرمدی اُصول ہے کہ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" انتخابِ دین کے معاملے میں کسی پر کوئی جبر نہیں۔ آزادیِ رائے، مسلمہ بنیادی حق ہے۔ جس قدر اس حق کا احترام علیؑ ابن ابیطالبؑ نے کیا، اُس کی مثال تاریخ اسلام کے کسی دوسرے دور میں نہیں ملتی۔ جن لوگوں نے آپ کی بیعت سے انکار کیا، آپ نے ان سے کبھی تعرض نہ کیا اور جنہوں نے بیعت کر کے توڑ دی اُن کا بھی اس وقت تک مواخذہ نہ کیا، جب تک وہ امن عامہ میں مخل نہ ہوئے اور نہ ہی ان کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی لگائی۔ یہاں تک کہ طلحہ اور زبیر آزادانہ طور پر ایک شہر سے دوسرے شہر آتے جاتے رہے۔ حالانکہ آپ انتظامی اُمور اور نقص امن کا بہانہ بنا کر پابند کر سکتے تھے۔ جبکہ ان سے پہلے حضرت ابو ذرؓ غفاری اور حضرت سعد بن عبادہ کی مثالیں بھی موجود تھیں۔ مگر علیؑ کے ضمیر نے کسی سے بنیادی حق چھیننا گوارہ نہ کیا۔ طلحہ اور زبیر کے معاملے میں بس اتنا کہا "تم نے میری بیعت اچانک اور بے سوچے سمجھے تو نہیں کی تھی اور نہ ہی میرا اور تمہارا معاملہ یکساں

ہے میں تمہیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے شخصی فوائد کیلئے چاہتے ہو"۔ (نہج البلاغہ)

اسی طرح جب کچھ افراد مدینہ سے شام کی طرف بھاگ گئے تو آپ نے مدینہ کے گورنر کو لکھا "یہ دنیا دار ہیں، جو دنیا کی طرف جھک رہے ہیں۔ انہوں نے عدل کو پہچانا، دیکھا، سنا، پھر سمجھ لیا، یہاں حق کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ اُدھر بھاگ گئے ہیں جدھر جانبداری ہے" (نہج البلاغہ)

لیکن اپنے گورنر کو یہ نہ کہا کہ شہر کے گرد اگرد پہرہ بٹھا دیا جائے تا کہ لوگ بھاگ نہ سکیں۔ آپ کا آزادی رائے پر اسقدر محکم یقین تھا، کہ جب تیسری خلافت کے خاتمہ کے بعد لوگ آپؑ کی بیعت کیلئے آئے، تو آپ نے انہیں کہا! جاؤ خوب اچھی طرح سوچ و بچار کرلو، جلد بازی میں فیصلہ نہ کرو، اسطرح پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور ۲۵ ذوالحج کو آپؑ نے بیعت لی۔ اس بیعت کی صورتحال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تم نے بیعت کے لیے میرا ہاتھ اپنے طرف پھیلانا چاہا تو میں نے روکا، تم نے کھینچا تو میں نے اسے سمیٹا۔ مگر تم نے مجھ پر اس طرح ہجوم کیا، جس طرح پیاسے اونٹ پانی پینے کیلئے تالابوں میں ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوتی کے تسمے ٹوٹ گئے، عباء کاندھے سے گر گئی، کمزور وناتواں کچلے گئے، چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے، بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے بیعت کیلئے بڑھے اور بیمار اٹھتے بیٹھتے پہنچ گئے" (نہج البلاغہ)

(۳) آزادیِ اظہار:

اسلام جہاں اپنے ہر شہری کو آزادانہ رائے قائم کرنے کا حق عطا کرتا ہے، وہاں اسکے اظہار پر بھی کسی قدغن کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ قوتِ گویائی کو

معاشرتی اصلاح کیلئے استعمال میں لایا جائے ۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کا تعلق اسی صلاحیتِ نطق سے ہے ۔آزادی اظہار کا صحت مند رویہ، یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے نیکیوں کو پھیلایا جائے اور برائیوں کو روکا جائے، خیر کی دعوت دی جائے اور شر سے اجتناب کیلئے کہا جائے ۔مگر امیر المومنینؑ کے دورِ حکومت میں بے مغز اور تہی معرفت خوارج نے اس آزادی کا جو بے رحمانہ استعمال کیا۔ وہ تاریخ اسلام کا ایک تلخ باب ہونے کے ساتھ، اس امر کو روزِ روشن کی طرح واضح کرتا ہے کہ علیؑ حقوقِ انسانی کے بہت بڑے پاسبان تھے۔

ایک دفعہ امیر المومنین علیؑ نماز پڑھ رہے تھے اور قرأت میں مصروف تھے کہ ایک خارجی نے با آواز بلند سورہ زمر کی یہ آیت پڑھنا شروع کر دی ۔وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ''آپ کو اور آپ سے جو پہلے ہوئے ان کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سب عمل بے کار ہو جائیں گے''۔اس آیت کے پڑھنے سے وہ امیر المومنینؑ پر طنز کر رہا تھا کہ آپؑ نے شرک کا ارتکاب کیا ہے (نعوذ باللہ) لہٰذا آپؑ کے اعمال اکارت ہو گئے ۔جب وہ شخص اس آیت کو پڑھ رہا تھا، علیؑ نے اپنی قرأت کو روک دیا ۔اسکے خاموش ہونے پر آپؑ نے قرأت نماز پھر شروع کی، تو اس خارجی نے پھر وہی آیت پڑھنا شروع کر دی ۔آپؑ احترام قرآن میں دوبارہ خاموش ہو گئے، اسطرح اس شخص نے تین بار ایسا کیا ۔آخر کار حضرتؑ نے سورہ روم کی آخری آیت تلاوت فرمائی ''فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ۔ آپ صبر سے کام لیں بے

شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو یقین نہیں کرتے آپ ان کی باتوں سے مشتعل نہ ہوں''۔ اسکے بعد خارجی خاموش ہوگیا اور آپؑ نے نماز مکمل کی۔مگر انسانی آزادیوں کے اس نگہبان نے کوئی تادیبی کاروائی نہ کی۔خوارج عام طور پر تکفیر علیؑ کرتے لیکن آپؑ نے نہ تو بیت المال سے ان کا وظیفہ بند کیا اور نہ ہی مسجد میں آنے جانے سے روکا۔اور حکم دیا کہ میرے بعد خوارج کو قتل نہ کیا جائے۔

''لا تقتلو االخوارج بعدی،فلیس من طلب الحق فاخطاہ کمن طلب الباطل فادرکہٗ'' میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا،اس لیے کہ جو حق کا طالب ہو اور اسے نہ پا سکے،وہ ویسا نہیں کہ جو باطل کی طلب میں ہو اور پھر اسے پالے۔(نہج البلاغہ۵۹)''

(۴) طبقاتی ومعاشی مساوات:

اسلام انسانوں کے درمیان کسی تفریق کا روادار نہیں۔وہ نسلی عصبیت،جاہلانہ تفاخر،معاشی برتری اور جغرافیائی تقسیم کا ہرگز قائل نہیں ہے۔ہاں مگر محترم وہی ہے جو متقی ہو اور اخلاق الٰہی کا حامل ہو۔یَـاَیُّھَـا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَا کُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَا کُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْااِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنداللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔

سب انسان ایک اصل کی شاخیں ہیں لہٰذا تمام وسائل دنیا پر بھی برابری کی بنیاد پر استحقاق رکھتے ہیں۔زمین اللہ کی ہے جو اس نے اپنی مخلوق کیلئے بنائی ہے۔وَالْاَرضَ وَضَعَھاَ لِلْاَنَام (رحمٰن۱۰) اور اللہ سبحانہ،ھُوَرَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ہمارا بھی پالنہار اور تمہارا بھی۔اسی لئے سورہ بقرہ آیت ۲۹ میں فرمایا ہے ھُوالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِیْ الْاَرضِ جَمِیْعاً۔ زمین میں جو کچھ خلق کیا گیا وہ سب کا سب تمہارے استفادے کیلئے ہے اور پیغمبر اسلام

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔اَلخَلقُ کلھم عیال اللّٰہ۔تمام کی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہےاور اللہ ہی اپنے کنبے کا کفیل ہے۔

وَمَا مِنْ دآبَّةٍ فِی الاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود۶)

زمین پر ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

اب جتنا اور جس قدر کسی کے پاس مال ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِی اٰتٰكُمْ (نور۳۳)

اور اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے،اس میں سے انہیں بھی دو

کیوں دو؟اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) وَفِی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوم (معارج۲۴،۲۵)

''مومنین کے مال میں،سوال کرنے والوں اور محروم لوگوں کیلئے ایک مقررہ حق ہے''

وہ اللہ پروردگار جس نے مومنین کو یہ مال عطا کیا ہے۔اس نے محروم،معذور اور نادار لوگوں کا ایک حصہ اس میں مقرر کر دیا ہے لہٰذا صاحبان ایمان کا یہ فرض ہے،کہ اس مال میں سے وہ حصہ ان تک پہنچائیں۔

(۲)''كَیْ لَا یَكُونَ دُولَةً بَیْنَ الاَغْنِیَاءِ مِنكُمْ (حشر۷)

کہ دولت صرف طبقہ اغنیاء میں ہی نہ گردش کرتی رہے

بلکہ اس سے معاشرے کے پسماندہ اور درماندہ طبقے بھی استفادہ کرسکیں۔اور اس طرح کرنے سے فرد کا جماعت سے اور جماعت کا فرد سے رشتہ محکم سے محکم تر ہو جائے گا۔وہی اللہ جو بلاامتیاز سب کا رب ہے سورہ النساء آیت ۳۷ میں خبردار کرتا ہے''اَلَّذِینَ یَبْخَلُونَ وَیَاْمُرُونَ

النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآاٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔

وہ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ مال اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں ۔تو ایسے ناشکروں کیلئے ہم نے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

حضرت علی ابن ابیطالبؑ اپنی زندگی میں اسی قرآنی معاشی نظریہ کے عامل اور مبلغ رہے ۔آپؑ فرماتے ہیں ۔لِكُلِّ ذِىْ رَمَقٍ قُوْتٌ وَلِكُلِّ حَبَّةٍ آكِلٌ۔ پیدا کرنے والے نے جب بھی کسی ذی روح کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کا رزق بھی پیدا کر دیا اور جب کوئی دانہ بنایا تو اسکے کھانے والے کو بھی بنایا۔ایسا نہیں کہ پیدا کرنے والے نے پیدا تو کر دیا ہو مگر اس کا رزق بنانا بھول گیا ہو۔اس کے خزانے سب کیلئے کھلے ہیں ۔اب اگر خدا کی بستی میں بھوک،ننگ اور افلاس کے مظاہرے دیکھنے کو ملتے ہیں تو اسکے تین سبب ہیں ۔

(i) اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اسلئے کہ دولت مند نے اسکے حصے کی دولت کو سمیٹ لیا ہے (علیؑ)

(ii) اگر کوئی فقیر فقر و فاقہ جھیل رہا ہے تو اسلئے کہ کوئی بخیل اللہ کے حق کو دبا کر مال بڑھا رہا ہے (علیؑ)

(iii) میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہ دیکھیں مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی کے حق کو ضائع ہوتے دیکھا۔(حضرت علیؑ)

اور اس بخل کا کیا نتیجہ معاشرے میں نکلتا ہے؟ آپؑ فرماتے ہیں ۔

(i) ''اگر غنی اپنی نیکیوں میں بخل کرے گا تو فقیر اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں بیچنے پر آمادہ ہو جائے گا۔''

(ii) ''بخل تمام عیوب کا مجموعہ ہے اور ایسی مہار ہے جس سے ہر برائی کیطرف کھینچا جا سکتا ہے''

آپؑ بخل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ان معاشرتی مفاسد کے پیشِ نظر مالک اشتر کو ہدایت جاری کرتے ہیں۔

''اپنے مشورے میں کسی بخیل کو شریک نہ کرو، وہ تمہیں دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے سے روک دیگا۔''

جس طرح غربت و افلاس کے فروغ میں بخل ایک بہت بڑا عامل ہے اسی طرح ارتکاز دولت بھی معاشرے کے اندر اخلاقی قدروں کو پامال کرتی ہے۔ مولائے کائنات ارتکاز دولت کو سڑے ہوئے بھوسے سے تشبیہہ دیتے ہیں، ایسا بھوسا جو وبا پیدا کرتا ہے۔

''اے لوگو! دنیا کا ساز و سامان سوکھا سڑا بھوسہ ہے، جو وبا پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس چراگاہ سے دور رہو کہ جس سے نکل جانا اسکے اندر اطمینان کے ساتھ ٹھہرے رہنے سے بہتر ہے۔ اس سے بقدر ضرورت لے لینا اسکی ثروت سے زیادہ بابرکت ہے۔''

آپؑ کا یہ دستور رہا کہ جیسے ہی مال آتا۔ آپؑ فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیتے، کبھی مال کو روک کر نہ رکھا۔ اپنے عمال کو ہدایات دیں کہ

(i) ''اللہ سے ڈرو، اس پسماندہ طبقے کے بارے میں، جو مساکین، محتاج، فقراء اور معذوروں کا طبقہ ہے، جس کا کوئی سہارا نہیں (مالک اشتر کے نام ہدایات)''

(ii) ''جو اموال تمہارے پاس جمع ہوں، ان پر نظر رکھو، جو عیال دار بھوکے ننگے ہوں، اس مال کو ان پر صرف کر دو۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ اموال حقیقی محتاجوں اور ضرورت مندوں تک پہنچیں۔ (گورنر کو ہدایت)''

خود اپنا رہن سہن انتہائی نچلی سطح پر رکھا کیونکہ آپ کا عقیدہ تھا، خدا نے آئمہ حق پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تا کہ مفلوک الحال اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔ اسی لیے خود کبھی شکم سیر ہو کر نہ کھایا۔

''کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہوں اور میرے گرد بھوکے پیاسے تڑپتے رہیں''۔

اور کھایا بھی تو کتنا؟..........

''میں اپنے نفس کو ایسا سدھاؤں گا کہ وہ کھانے میں ایک روٹی اور اسکے ساتھ صرف نمک پر قناعت کر لے''

بحیثیت حکمران اپنے لئے کسی قسم کے امتیازات روا نہ رکھے۔

''میں تم ہی میں سے ایک شخص ہوں مجھے بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو تمہیں حاصل ہیں اور میرے سر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو تمہارے سر ہیں۔''(حضرت علیؑ)

علوی عمرانی فلسفہ:

انسانی معاشرہ ایک ایسا جسم نہیں جو متضاد و متناقص عناصر کا مرکب ہو، نہ اس کے نظام معاشرت میں حقوق و فرائض کے معاملہ میں گروہی اور طبقاتی افراط و تفریط ہے۔ علیؑ جس معاشرے کو پسند کرتے ہیں، اس میں یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایک گروہ کا شکم مال حرام کھا کھا کر پھولتا چلا جائے، جبکہ دوسرا گروہ چرم و استخوان کا ڈھانچہ بن کر رہ جائے۔ آپؑ نے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

''تم سب بندگان خدا ہو اور مال اللہ کا ہے جو تم سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں، نیکو کار اور متقین کو خدا کے ہاں بہتر اجر ملے گا''

علیؑ نے بیعت لیتے وقت یہ غیر مبہم الفاظ کہہ دیئے تھے۔

’’دیکھوتم میں سے ایسے اشخاص ہیں، جنہیں دنیا نے نہال کرر کھا ہے، جنہوں نے جاگیریں حاصل کیں ۔نہریں بنوائیں، تومند گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں ۔ غلام اور کنیزوں کے انبوہ اپنے پاس رکھتے ہیں، کل میں انہیں ان باتوں سے منع کروں ۔ جن میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں ان حقوق پر مجبور کروں، جنہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں ،تو پھر وہ ہرگز نہ کہیں کہ علیؑ نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کر دیا۔ دیکھو خواہ مہاجر ہوں یا انصار، ان میں سے جو شخص بھی خیال کرے کہ میں دوسرے سے افضل ہوں ،تو یہ اس کی خام خیالی ہے ۔‘‘

حکومت آپ تک پہنچتے پہنچتے تقریباً ۲۵ سال گزر گئے اس عرصہ میں امت سادگی اور برابری کا رویہ بھول چکی تھی ۔مسلم امت میں ایسے گروہ پیدا ہو چکے تھے جو محلاتی زندگیوں کے خوگر تھے ۔ارتکاز دولت کا زہر پورے اسلامی پیکر میں سرایت کر گیا تھا ۔تکبر ،نخوت ، جاہ پرستی ،خودغرضی اور منفعت خوری کی شکل میں اس کے منفی اثرات ظاہر ہو چکے تھے ۔مواخات ومواسات کی بنیاد پر تعمیر ہونے والا تمدن، اُمراء ومساکین کی ٹکڑیوں میں بٹ چکا تھا ۔ایک طرف شام کے محلات تھے، دوسری طرف جھونپڑیاں ۔ ایک طرف دیباج وحریر کے ملبوسات میں مرفہ الحال اونچا طبقہ ،تو دوسری طرف چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے مفلوک الحال نچلہ طبقہ کے افراد۔حقوق وفرائض میں عدم توازن نے اسلامی معاشرے کوعدم مساوات کا شکار کر دیا تھا ۔لیکن آپ نے تمام تر سیاسی مصلحتوں اور انتظامی مجبوریوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اعلان کر دیا:

’’خدا کی قسم اگر مجھے ایسا مال کہیں بھی نظر آیا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی

خریداری پر صرف کیا جا چکا ہو تو اُسے واپس پلٹا دوں گا۔"

جب ولید بن عقبہ نے اس شرط پر بیعت کرنا چاہی کہ عثمانی دور میں بطور داد و دہش ملنے والے مال کو واپس نہ لیا جائے تو آپؑ نے سختی سے کہا۔

"میں اس مال کو چھوڑ دوں، جو تم نے ہتھیالیا ہے۔ یہ میرے بس کی بات نہیں کہ میں اللہ کے اس حق سے دستبردار ہو جاؤں، جو تمہارے اور تمہارے علاوہ دوسروں کے ذمہ ہے۔"

ان مراعات یافتہ طبقات نے گٹھ جوڑ کرلیا۔ ایک کے بعد دوسری سازش، ایک کے بعد دوسری جنگ اور معاملہ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اونچ نیچ میں پلنے والے علیؑ کے عدل کو برداشت نہ کر سکے۔ یوں آپؑ فکر و عمل میں، کردار و رفتار میں تنہائی کا شکار ہو گئے۔ بالآخر آپؑ کو کہنا پڑا۔

"بھلا وہ کیونکر میری کمزور اور دھیمی آواز کو سن پائیں گے جو اللہ و رسول کی بلند بانگ صداؤں کے سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔"

علیؑ تو ایک سعادت مند زندگی گزارنے کے بعد سعادت مند موت سے ہمکنار ہو گئے مگر اُمت....

"انہوں نے فسق و فجور کی کاشت کی۔ غفلت و فریب کے پانی سے سینچا اور ہلاکت کی جنس حاصل کی" (حضرت علیؑ)

نتیجتاً وہ دن اور آج کا دن ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

"خشکی و تری میں فساد پھوٹ پڑا جو لوگوں کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔"

عبدالرحمٰن ابن خلدون نے سچ کہا ہے

"اگر اندرونی مخاصمات نہ پیش آتے تو آپؑ ایک عالم کو علی منہاج النبوہ چلاتے"۔

اسلامی ثقافت....عورت کا کردار

۱۔ پہلا دائرہ عمل
۲۔ دوسرا دائرہ عمل
۳۔ تیسرا دائرہ عمل

اسلامی ثقافت ۔عورت کا کردار

اسلام دین فطرت ہے اور اسکی فرمانروائی کائنات کے ذرے ذرے پر ہے۔
فاطر کائنات نے انسانوں کیلئے دین فطرت اسلام کو ہی پسند فرمایا ۔انسانی فطرت و جبلت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ بستیوں، قصبوں اور شہروں کو آباد کرتا ہے اور اپنے ہم جنسوں سے مل کر معاشروں کو تخلیق کرتا ہے ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے معاشرے؟.....

☆ایسے معاشرے جن میں اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہِ (حم سجدہ۱۴) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جاتی ہو۔
☆ایسے معاشرے جن میں کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ (روم ۲۶) سب کے سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہوں

اس بنیادی سوچ اور فکر کے نتیجے میں جو آدابِ زندگی، جو طرزِ تمدن، جو اندازِ معاشرت، جو حسنِ اخلاق، جو مدنی رویے جنم لیتے ہیں، اسے ہم اسلامی ثقافت کا نام دیتے ہیں ۔یعنی عقیدہ توحید کا عملی اظہار صفحہ ارضی پر، انسانی بستیوں کے درمیان اور اگر کسی ثقافت کے فکری زاویے توحید کے علاوہ کہیں اور ملتے ہوں تو وہ ثقافت ہرگز ہرگز اسلامی کہلانے کی حقدار نہ ہوگی ۔بلکہ یقیناً غیر اسلامی ثقافت کہلائے گی۔

انسانی معاشرے کے دو ہی کارکن ہیں، ایک مرد اور دوسری عورت ۔قانونِ اسلام نے ان دونوں کو زوجیت کے فطری ضابطہ میں باندھ دیا ہے ۔سورہ ذاریات ۴۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ۔ہم نے ہر ایک شے کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے ۔زوجیت فعلیت اور قبولیت کا نام ہے ۔عاقدیت اور منعقدیت کی تاثیر لیے ہوئے ہے یہ فاعلیت اور قبولیت کی دونوں حیثیتیں یکساں اہمیت

کی حامل ہیں اس میں نہ کوئی پست ہے نہ کوئی برتر ۔زوجیت کا یہ فطری اُصول دوسرے جانداروں میں بھی پایا جاتا ہے یہاں اس کا مقصد صرف بقاء نسل ہے ۔ان میں یہ تعلقِ زوجیت بہت ہی عارضی اور وقتی ہوتا ہے مگر انسانوں میں یہ تعلق لمحاتی نہیں ہے بلکہ دائمی ہے ۔ اور قرآن مجید نے اسکو ایک اور مثال سے واضح کیا ہے ۔نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (بقرہ ۲۲۳) تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں ۔

اور جانداروں کی طرح یہ ضروری ہے کہ بقاء نوع کے لئے انسان بھی اپنی صنف مخالف سے عمل زوجیت انجام دے لیکن اصناف کے درمیان یہ تعلق ایسے ہے جیسے کسان کا اپنی کھیتی سے ۔کسان کا کام محض اتنا نہیں کہ وہ کھیت میں بیج پھینکنے کے بعد لاتعلق ہو جائے بلکہ وہ اس کی آبیاری کرتا ہے ۔نگہداشت کرتا ہے، محافظت کرتا ہے ہر قسم کے خطرات سے بچاتا ہے اور ایسا سازگار ماحول مہیا کرتا ہے جس میں فصل خوب اچھی طرح پھل پھول سکے ۔عورت کوئی بے ملک زمین نہیں کہ جس میں کوئی جانور چلتے پھرتے بیج پھینک دے اور نتیجہ کے طور پر کوئی خودرو پودا اُگ آئے ۔حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ''اپنے نطفوں کیلئے محل کی تلاش میں انتخاب سے کام لو۔'' اگر چہ صنفِ مخالف کیلئے کشش وانجذاب انسان وحیوان دونوں میں پائی جاتی ہے مگر انسانی سرشت میں یہ جذب وکیف کا داعیہ عشق ومحبت کا روپ دھار لیتا ہے ۔اوپر سے حسن کائنات کا ہر جلوہ اس کو مزید مہمیز کرتا ہے ۔اور یوں یہ تعلق دائمی معیت ،قلبی وابستگی اور روحانی لگاؤ کا تقاضا کرتا ہے ۔یہی تعلق ایک تہذیب، ایک تمدن اور ایک ثقافت کو جنم دیتا ہے ۔قرآن مجید اس فطری اور دائمی تعلق کو یوں بیان کرتا ہے ۔خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۔

اللہ نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے قائم کر دیئے ۔لِتَسۡکُنُوا اِلَیۡهَا ۔ تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو ۔وَجَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً (الروم۲۱)اور تمہارے درمیان مودت ورحمت رکھ دی ۔''

معاشرے میں تہذیبی وثقافتی رویوں کے فروغ کیلئے سکون واطمینان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔افرادِ معاشرہ کے درمیان جس قدر محبت ومودت زیادہ ہوگی تمدنی ارتقاءاتنا زیادہ ہوگا اور صحت مند اقدار کی نشو ونما بہتر انداز و رفتار سے ہوگی ۔اس سکون اور طمانیت، محبت اور رحمت کا مرکزی نقطہ عورت ہے ۔ایک شخص نے حضرت رسالت مآبؐ سے عرض کیا ''میری زوجہ کا رویہ کچھ اس قسم کا ہے کہ جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں تو میرا استقبال کرتی ہے جب میں گھر سے باہر نکلتا ہوں تو میری مشائعت کرتی ہے ۔جب مجھے کوئی غم لاحق ہوتا ہے تو دریافت کرتی ہے کہ کیا فکر ہے؟ اگر فکر معاش ہے تو خدا تمہاری اور سب بندوں کی روزی کا کفیل ہے ۔اگر فکر معاد ہے تو خدا اس فکر کو اور زیادہ کرے ۔''حضرت سید الانبیاءؐ نے اس شخص کی گفتگو سنی تو فرمایا:۔

''خدا کے کچھ کارکن ہیں اور یہ عورت انہی کارکنوں میں سے ایک ہے ۔
جتنا اجر کسی شہید کو مل سکتا ہے اس سے نصف اسے ملے گا ۔''

اسلامی ثقافت کا ایک طرہ امتیاز اس کی عبادات ہیں ۔جو دراصل مسلمان معاشرے کے اجتماعی عقیدے کا اظہار ہیں ۔ان عبادات کو درجہ کمال تک پہنچانے والی ذات عورت ہی ہے ۔حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں ۔''عورت والے (شادی شدہ) کی دو رکعت نماز مجرد (کنوارے) کی ساری ساری رات کی نماز سے اور تمام دنوں کے

روزوں سے بہتر ہے۔" کیوں کہ شادی کے بعد انسان کے اندر حیوانی پہلو دب جاتا ہے۔اور معنوی پہلو کو اجاگر ہونے کا بہتر موقع ملتا ہے۔حضرت خاتم الانبیاءؐ فرماتے ہیں:

"جس نے شادی کی اس نے نصف دین کی حفاظت
کی اور باقی نصف میں تقویٰ کی ضرورت ہے"

عورت اور مرد معاشرے میں دو مساوی حصہ دار ہیں تمدن کی تعمیر،تہذیب کی تشکیل اور ثقافت کے فروغ میں اگرچہ دونوں شریک اور سہیم ہیں مگر عورت کی گود کو اولین مدرسہ اور تربیت گاہ کی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے عورت کا حصہ دو چند ہو جاتا ہے۔اسی تربیت و تعلیم کے پیش نظر حضرت ختمی مرتبتؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

"خبر داران باغوں سے بچتے رہو۔جو گھورے پر اگے ہوئے ہوں۔پوچھا گیا گھورے پر اگے ہوئے باغوں سے کیا مراد ہے؟تو فرمایا۔خوبصورت عورت بُرے کردار کے ساتھ۔"

کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ مائیں معاشرے کو صالح اور نیک کارکن مہیا کریں۔جبکہ ذلیل ماؤں کی کوکھ سے عزت والے فرزند پیدا نہیں ہوسکتے۔پست ذہن رکھنے والی ماؤں کے گہواروں میں ارفع نظریات کی حامل نسل تیار نہیں ہوسکتی۔فاسد عقیدہ والی ماں کے دودھ سے صالح اولاد پروان نہیں چڑھ سکتی۔اسلام نے جس طرح ماؤں کے انتخاب میں دقتِ نظر سے کام لینے کو کہا ہے۔اتنی ہی احتیاط مسئلہ رضاعت میں برتنے کو کہا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں۔"ذرا دیکھ بھال لو کہ تمہاری اولاد کی رضاعت کس طرح کی عورت کررہی ہے کیونکہ دودھ کے آثار پر بچہ جوان ہوتا ہے۔"پھر فرمایا "رضاعت میں اسی طرح انتخاب سے کام لو جیسے شادی کے لیے انتخاب کرتے ہو۔"معیار انتخاب،شادی اور

رضاعت میں ایک جیسا ہو، تا کہ وہ آپ کی امانت کی بہترامین ثابت ہو سکے۔

عفت، طہارت اور پاکیزگی اسلامی ثقافت کا جزو لا ینفک ہے۔ اسلام عفت کی حفاظت کو ہر شے پر مقدم سمجھتا ہے۔ اوراس کے لیے ہر احتیاطی تدبیر اختیار کرتا ہے۔ عفت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ''فتنۂ نگاہ'' ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔

''نگاہیں شیطان کا جال ہیں۔ جو اپنی نظروں کو قابو رکھے گا۔ اس کا دل آسودہ رہے گا۔''

اس فتنہ کا علاج فقط او رفقط یہی ہے کہ ہو سکا کہ نظروں کا تبادلہ نہ ہونے پائے۔ اسی احتیاط کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ میرے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو حکم پہنچا دو۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (نور ۳۰)

''اے رسول مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (نور)

''مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ نظریں نیچی رکھیں، شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور مقام زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں''

اسلام میں پردے کا حکم اسی فلسفۂ عفت کا قدرتی لازمہ ہے۔ عورت کی جبلی کمزوریوں میں ایک کمزوری خودنمائی اور خود آرائی کی خواہش ہے۔ اسی خواہش کی تسکین کے لئے وہ زیب و زینت کرتی ہے۔ بناؤ سنگھار پر دائمی توجہ اس کے اسی طرز احساس کا مظہر ہے۔ مغرب کی سرمایہ دارانہ ذہنیت نے اس فطری کمزوری کو

Exploit کر کے عورت کو چراغ خانہ سے شمع محفل بنا دیا ہے۔ جہاں وہ کپڑوں سے باہر آیا چاہتی ہے اور ہوسناک مرد ھل من مزید کا مطالبہ کرتا ہے۔مغرب کے تاجر مزاج طبقہ نے عورت کو اپنی مصنوعات کی فروخت کا بہترین وسیلہ سمجھا ہوا ہے۔عام ٹافی اور چیونگم کے کمرشل سے لے کر بڑے تجارتی وصنعتی اشتہارات میں عورت کے جسم کے نشیب وفراز کی نمائش لگی ہوئی ہے۔جبکہ ناسمجھ عورت اس جسمانی نمائش کو آزادی سمجھ بیٹھی ہے۔لیکن اسلام نے عورت کی عزت وتوقیر میں اس قدر اضافہ کیا ہے کہ اسے معاشرے کا زیور قرار دیا ہے۔زیور جو کہ ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے اور اسے غیر کی نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے۔لہٰذا عورت کو بھی غیروں کی نظروں سے اوجھل رکھا ہے۔
حضرت امام جعفر صادق ارشاد فرماتے ہیں۔

"عورت بمنزلہ اس گلوبند کے ہے۔جو تم اپنی گردن میں باندھتے ہو
اور یہ دیکھنا تمہارا کام ہے کہ کیسا گلوبند تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔"

لباس کسی بھی معاشرے کے حسنِ زیبائی اور نفاست پسندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ صاف ستھرے اور بے داغ لباس سے جہاں انسان کی نفاستِ طبع کا اظہار ہوتا ہے وہاں انسان کی طہارتِ باطنی کی بھی غمازی کرتا ہے۔جبکہ اسلام عورت کو اپنے معاشرے کا لباس قرار دیتا ہے۔هُنَّ لِبَاس° لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاس° لَّهُنَّ ۔(بقرہ ۱۸۷)"عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کے لباس ہو" اب وہ عورت جو اپنا دوپٹہ نہ سنبھال سکے وہ معاشرے کی ستر پوشی کیونکر کرسکتی ہے۔جبکہ لباس کے فقط دو ہی مقصد ہوتے ہیں۔

(۱) ستر پوشی (۲) زیبائش

وہ لباس کیسا لباس ہے؟ ۔جس سے جسم بھی بے نیاز اور رزیبائی کردار بھی داغدار۔
سورہ اعراف آیت ۲۶ میں اللہ سبحانہ فرماتا ہے ۔''اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے اور تمہیں زینت دیتا ہے ۔وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ، اور تقویٰ کا لباس ہی سب سے بہتر ہے۔'' عفیفہ و پاکیزہ عورت، باعصمت و باطہارت عورت، جس کے جسم و روح سے لا الہ کی خوشبو آتی ہو اسلامی معاشرے کا لباس ہے ۔
سید الانبیاءؐ نے لباس تقویٰ میں ملبوس عورت کو الٰہی امانت قرار دیتے ہوئے فرمایا

''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، یہ طبقہ رہنمائی اور محافظت کا محتاج ہے ۔یہ ایک امانت الٰہی ہے جو تم پر حلال کر دی گئی ہے ۔ محافظت اور حجاب سے عورت کی تازگی اور جمال محفوظ رہتا ہے ۔''

مسلمان معاشرے میں عورت کی فعالیت و عمل کے اعتبار سے تین دائرے ہیں ۔

(۱) عورت کی اپنی ذات کا دائرہ ۔
(۲) عورت کے خاندان کا دائرہ ۔
(۳) معاشرتی دائرہ ۔

ان میں سے ہر دائرہ پہلے دائرے سے وسیع تر ہے ۔لیکن تمام کا مرکز و محور ایک ہی نقطہ ہے ۔اور وہ ہے ۔اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اللّٰہ ''اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔''

پہلا دائرہ عمل:۔

پہلا دائرۂ عمل، عورت کی اپنی ذات ہے چونکہ وہ ایک صاحب عقیدہ باشعور مخلوق ہے اور خالق نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ایک دین، ایک شریعت کا پابند

قرار دیا ہے ۔ کچھ فرائض عائد کیے ہیں اور کچھ حقوق عطا کیے ہیں ۔ کچھ احکام میں اطاعت کا مطالبہ کیا ہے اور کچھ امور سے اجتناب کا تقاضہ کیا ہے ۔یعنی یہ دائرہ اوامرونواہیِ الٰہی کا دائرہ ہے۔اس دائرے میں دس مطالبے ہیں جو قرآن اس سے کرتا ہے۔سورہ احزاب ۳۵ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔اَلْمُسْلِمٰتِ۔ حقیقی روح کے ساتھ مسلمان عورتیں

۲۔اَلْمُؤْمِنَاتِ۔ سچے معنوں میں ایماندار عورتیں

۳۔اَلْقٰنِتٰتِ ۔ امر الٰہی کے سامنے فرمانبردار و مطیع عورتیں۔

۴۔اَلصّٰدِقٰتِ۔ راست باز اور صدق گفتار عورتیں ۔

۵۔اَلصّٰبِرَاتِ۔ راہ خدا میں صبر سے کام لینے والی عورتیں

۶۔اَلْخٰشِعٰتِ۔ اپنے رب کے حضور خاضع و خاشع عورتیں۔

۷۔اَلْمُتَصَدِّقٰتِ۔راہ خدا میں صدقہ وخیرات دینے والی عورتیں

۸۔اَلصّٰئِمٰتِ۔ روزہ رکھنے والی عورتیں

۹۔اَلْحٰفِظٰتِ۔ اپنی عفت کی حفاظت کرنے والی عورتیں۔

۱۰۔اَلذّٰکِرٰتِ۔ کثرت سے خدا کو یاد کرنے والی عورتیں

اَعَدَّاللّٰہُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔(سورہ احزاب ۳۵)

''اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہوا ہے۔''

عقیدہ و کردار کی یہ دس شعاعیں ، نہ صرف عورت کے پیکر خاکی کو منور کرتی

ہیں بلکہ اس کے لباس تقوی سے چھن چھن کر خاندان اور معاشرے کے دائروں کو بھی روشن کرتی ہیں ۔

دوسرا دائرہ عمل:

خاندان دراصل ایک مختصر معاشرہ ہوتا ہے، جس میں عورت زندگی کے مختلف مراحل میں بیٹی ،بہن ،بیوی اور ماں کی حیثیت سے اہم ذمہ داریاں سنبھالتی ہے ۔ اسلام نے زندگی کے تمام ادوار میں اسے نہایت ہی محترم ومکرم جانا ہے ۔بحیثیت بیٹی وہ رحمت ہے، بحیثیت بیوی وہ شوہر کے نصف ایمان کی حامل ہے اور بحیثیت ماں تو اسلام نے اس پر اپنا سب کچھ ہی قربان کر دیا ہے ۔ایک مسلمان کی تمام زندگی کا حاصل جنت ہے،اس کے تمام اعمال کی کمائی جنت ہے، اسلام نے اس جنت کو ماں جو عورت کا حسین ترین روپ ہے، کے قدموں کے نیچے رکھ دیا ہے اور یہ سب کچھ اسلام نے عورت کو اسوقت عطا کیا جب عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھ کر پہنا اور اُتارا جاتا یا مال تجارت سمجھ کر خرید وفروخت کی جاتی ۔قبل اسلام عورت کا وجود خاندان کے لئے موجب ننگ وعار سمجھا جاتا تھا۔قرآن اس پست ذہنیت کو یوں بیان کرتا ہے ۔

> ''اور جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا اس خبر سے جو شرم کا داغ لگ گیا ہے ۔ اسکے باعث لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا اور سوچتا آیا ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہوں یا مٹی میں دبا دوں''۔(نحل ۵۸،۵۹) ۔

اتنی عظمت سے سرفراز کرنے کے بعد اسلام نے اسے نسلِ نو کا امین اور پرورش کنندہ

قرار دیا۔اس ادائیگی امانت کے سلسلے میں وہ خدا اور خلق خدا دونوں کے سامنے جوابدہ ہے۔احساس فرض اور ادائیگی امانت میں پورا اُترنے پر معتزز،ورنہ خیانت کار اور مجرم۔

تیسرا دائرہ عمل:

اب اسکا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔جس طرح وہ ایک چھوٹے دائرے میں ایک خاندان ،ایک خانوادہ ،کے عقیدہ وعمل کی نگہبانی کرتی ہے۔اسی طرح وہ معاشرے کے اندر آزادیِ فکر،حریتِ عمل اور بلندیِ کردار کی محافظ ہے۔ہر انحراف وکجروی کے مقابلے میں وہ استقامت کی چٹان نظر آتی ہے۔ایک صالح تمدن کی تعمیر کے لئے جس قدر حرارت اور قوت عمل کی ضرورت ہوتی ہے وہ عورت ہی فراہم کرتی ہے۔نیکی ،راستی ،سچائی ،الفت ،محبت اور رواداری کے فروغ کا تمام تر سامان عورت کے جبلی احساسِ عطوفت سے ہی مہیا ہوتا ہے۔منافرت ،تعصب ،ظلم اور نا انصافی کے سامنے بند باندھنے کے تمام تر مزاحمتی جذبے اسی کے عطا کردہ ہیں۔اس دعویٰ میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ۔

''قرآن بھی انسان ساز ہے اور عورت بھی انسان ساز ہے''۔(امام خمینیؒ)

فعالیت کے ان دائروں میں،معیارِ فضیلت کے ان پیمانوں پر ہم جب بھی کوئی نمونہ عمل تلاش کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ذات ہی نظر آتی ہے۔بحیثیت بیٹی ،بحیثیت زوجہ،بحیثیت ماں، کامل ترین اور قابل عمل نمونہ، بے پناہ فضل وکمالات کی مالک یہ دختر رسولؐ.........

بحیثیت بیٹی رحمت ہے ....تو رحمۃ للعالمینؐ کے لیے

بحیثیت بیوی .... نصف ایمان ہے، تو کلِ ایمان کے لیے

بحیثیت ماں ....ان کے قدموں تلے جنت ہے تو خود سردارانِ جنت کے لیے

انہوں نے اپنی ذات کے دائرہ میں فعالیت دکھائی اور سیرت و کردار میں وہ نکھار پیدا کیا کہ طاہرہ لقب پایا، راضیہ کہلائیں، مرضیہ ہوئیں، یہاں تک کہ خود والد بزرگوار حضرت خاتم الانبیاءؐ نے آپکو اُم ابیھا (یعنی اپنے والد کی ماں) کہہ کر خطاب فرمایا۔خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو معدن رسالت کہہ کر بزم ملائکہ میں متعارف کرایا۔ قرآن نے آپ کو کوثر یعنی خیر کثیر سے یاد کیا ہے ۔اللہ سبحانہ نے اپنے پیغمبر گرامی قدرؐ کو بے شمار نعمات سے نوازا لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا وہ واحد نعمت ہے جس کو عطا کرنے کے بعد خالقِ کائنات نے فرمایا ہے۔

''اے میرے حبیبؐ ہم نے تمہیں کوثر (فاطمہؑ) عطا کی اب
تو ہماری اس عظیم عطا کے شکرانے میں نماز پڑھ اور قربانی کر''

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے وجودِ ذی جود کی برکت سے آنحضورؐ ابتر ہونے کے طعن و تشنیع سے مامون ہوئے اور تا قیامت آپؐ کی اولاد و نسل قائم ہوئی ہے۔

یہ ایسی مشعل ہے جس کی کرنوں سے آگہی کے اصول چمکے
اسی کے دم سے زمانے بھر کی جبیں پہ نامِ رسولؐ چمکے

جناب سیدۂ نے انسانی معاشرے کو ایک ایسا مثالی خانوادہ دیا جس کا ہر فرد اقبالِ آدمیت کے مقدر کا ستارہ بن گیا۔

حسن علیہ السلام ۔معاشرہ انسانی میں امن کا پیغامبر ہے،جس نے بقائے امن

کے لئے اقتدارِ سلطنت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

حسین علیہ السلام ۔رہتی دنیا تک شجاعت واستقامت کا استعارہ،ظلم واستبداد کے ایوان آج بھی حسینؑ کے نام سے لرزہ براندام ہیں۔

زینب سلام اللہ علیہا ۔ابلاغِ حق کی علامت، جس کی رداظلم کے تپتے صحرا میں مظلوموں کے لیے سکون واطمینان کا سائباں ہے۔

کلثوم سلام اللہ علیہا۔سلطان جابر کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کی بے باک آواز ہے

عظمتِ آدم کے یہ تمام نام، دراصل کردارِ فاطمہؑ کا پرتو ہیں۔کیونکہ جناب زہرا نے ان کی پرورش انہی اعلیٰ مقاصد کے لیے کی تھی۔اعلیٰ سرمدی اصول سکھائے اوران اصولوں پر مرمٹنے کا سلیقہ سکھایا۔تربیت کا انداز یہ تھا کہ امام حسنؑ، جوابھی چند ماہ کے تھے جناب سیدہؑ بیٹے کو ہاتھوں پر اٹھاتی ہیں اور بار بار یہ جملے دہراتی ہیں۔

”اے حسنؑ تو نے باپ کی طرح بنا ہے حق کا دفاع کرنا ہے اللہ کی عبادت کرنا۔اوران افراد سے جو کینہ پرور اور دشمن ہوں، ہرگز دوستی نہ کرنا“

یوں اعلیٰ اخلاقی اُصول سیدہ عالم بچوں کو یاد کراتی ہیں۔

رفیقہِ حیات ہونے کے ناطے، فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ علی علیہ السلام جیسی عظیم شخصیت کی ہم سفر و ہمگام ہیں۔وہ کمال انسانیت کی شاہراہ پر علیؑ کے ساتھ قدم بہ قدم چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔وہ ارتقائے انسانیت کے اُفق پر علیؑ کی ہم پرواز ہیں۔محض ہمدم اور ہمساز ہی نہیں بلکہ علیؑ جیسا باعظمت امام اعتراف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

”فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اللہ کی بندگی میں بہترین مددگار رفیقہ حیات ہیں۔“

آپ کا حقیقی معاشرتی کردار اس وقت سامنے آیا جب رسول اکرمؐ نے جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ دنیا کی چمک نے اُمت کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اب سیدہ عالم نے اپنی تمام تر توجہ دو اہم نکتوں پر مرکوز کر دی۔

(۱) ابلاغ نظریہ امامت (۲) محافظتِ امامِ وقت

سلسلہ نبوت اختتام کو پہنچا تو امت اجماع اور شوریٰ کے حیلوں میں پھنس کر رہ گئی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ بعد از نبوت جگہ لینے والے خدائی انتظام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے اور اجرائے نظامِ امامت کے لیے اقدامات کیے جائیں تا کہ نیابتِ رسول علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو سکے۔ مگر عاقبت نا اندیشی کا یہ عالم ہوا کہ امامت اور امام کی بیخ و بن اکھیڑ پھینکنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ آپ نظام امامت کی مبلغہ بن کر نکل آئیں اور اپنا الہامی خطبہ ارشاد فرمایا۔

طَاعَتُنَا نِظَامًا لِلْمِلَّةِ.........ہماری اطاعت ہی بقائے ملت کا نظام ہے

وَاِمَا مَتُنَا اَمَاناً مِّنَ الْفِرْقَةِ.....اور ہماری امامت ہی تفرقہ سے امان ہے۔

فهيهات منكم، وكيف بكم؟....تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیا کر رہے ہو؟

واني توفكون ؟هيهات!......تم کدھر جا رہے ہو؟ آل محمدؐ کو چھوڑ کر''۔

اللہ کے رسولؐ کی پیاری دختر رات کو امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ گھر سے نکلتیں انصار کے گھروں میں جاتیں۔ ان کو امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل سے آگاہ کرتیں۔ ان کی اسلام کے استحکام کے لیے بے پایاں خدمات کا تذکرہ فرماتیں۔ رسول اللہؐ کی وصیتیں یاد دلاتیں۔ اس قدر منطقی اور استدلالی گفتگو فرماتیں کہ کوئی جرأتِ انکار نہ

کر سکتا۔ یوں آپ نے دلائل و براہین سے فتح حاصل کر لی۔ جب انصار کوئی راہِ فرار نہ پاتے تو بحیلہ سازی کہتے۔

اے رسولؐ کی بیٹی! ''اگر آپ اور آپ کے شوہر پہلے رابطہ کرتے تو ہم کسی اور کو ترجیح نہ دیتے۔''

اس وقت فرماتیں! ''ابوالحسنؑ نے وہ کیا جو ان کے شایان شان تھا۔ لوگوں نے جو کیا اس کا حساب لینے والا اللہ ہے۔ وہی محاسبہ کرنے والا ہے۔''

پھر حالات میں مزید تندی آئی اور امامِ وقت کے وجود کو خطرہ لاحق ہوا تو امامِ وقت کی معرفت کی عارفہ دختر رسولؐ نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر محافظت کا حق ادا کر دیا یہاں تک کہ جلتے ہوئے دروازے اور دیوار کے درمیان آ گئیں۔ محسن شہید ہو گئے۔ پہلو شکستہ ہوا۔ پسلی ٹوٹ گئی اور بازو شل ہو گیا۔ مگر فریضہ محافظتِ امام سے دست کش نہ ہوئیں۔ یہ نظامِ امامت اور سایہء وجودِ امام، عطائے زہرا ہے مگر!

در پیغمبرؐ پہ دے کے دستک، پلٹ پڑا پھر خیال میرا
زمانے بھر کے مؤرخوں سے ہے احتجاجاً سوال میرا
بتاؤ امت کا ظلم اپنے نبی کی بیٹی کے ساتھ کیوں ہے؟
بتاؤ! اب تک جناب زہراؑ کا ایک پہلو پہ ہاتھ کیوں ہے؟

نماز ....ایک تربیتی دستور

نماز

(ایک تربیتی دستور)

انسان کو مقصدِ تخلیق سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جسم و روح کی اصلاح اور تربیت کی جائے تا کہ وہ توانا روح اور صحتمند جسم کے ساتھ راہِ حیات کو طے کرکے منزلِ مقصود کو حاصل کرلے ۔ کمزور جسم اور ناتواں روح کے ساتھ کٹھن اور سنگلاخ وادیِ حیات کو طے کرنا ممکن نہیں ۔ اسلام نے اپنی فروعات (جو دراصل جسم اور روح کیلئے ایک تربیت اور اصلاحی دستور ہے) کو مرتب کیا تو جہاں جسمانی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھا وہاں روح کی مصلحتوں اور ضرورتوں پر بھی بھرپور توجہ دی ۔ اور فروعات میں سے جو فرع اس مقصد کے حصول میں سب سے زیادہ طاقتور عامل کے طور پر کام کرنے والی ہے ۔ اس کو درجہ بندی اور ترتیب میں سب سے اوپر رکھا اور تکرارِ عمل میں بھی یہی منشاء کارفرما ہے ۔ فروعاتِ اسلامی اور ان کی ترتیب یہ ہے ۔

۱۔ نماز، ۲۔ روزہ، ۳۔ حج، ۴۔ زکواۃ

۵۔ خمس، ۶۔ جہاد، ۷۔ تولّی، ۸۔ تبرا،

۹۔ امر بالمعروف، ۱۰۔ نہی عن المنکر

نماز:

اعمالِ اسلامی میں سے نماز کو اوّلیت اور افضلیت حاصل ہے ۔ یہ یومیہ عمل ہے ۔ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ بہ تکرار اس کی ادائیگی کو لازم و واجب قرار دیا گیا ہے ۔ اس لیے کہ

☆ نماز ایک ایسا عمل ہے جو بدنی پاکیزگی سے شروع ہوتا ہے اور باطنی طہارت

پر منتج ہوتا ہے۔

☆ نماز ایک ایسا عمل ہے جو جسم کو تو ظاہری نجاسات سے پاک کرتا ہے مگر روح کو رجس اور شرک سے پاک کرتا ہے۔

☆ نمازی کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے دروازے پر صاف وشفاف پانی کی نہر جاری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہا کر اپنے جسم سے تمام میل کچیل صاف کر دے۔

☆ نماز فیضِ الٰہی کی وہ نہر ہے جس میں مسلمان روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ نہا کر نہ صرف اپنے لیے بدنی نظافت کا اہتمام کرتا ہے بلکہ اپنی روح سے شرک، نفاق، حسد، تکبر، جیسی آلائشوں کو دور کر دیتا ہے۔

ہر مسلمان نماز سے پہلے اپنے جسم کو تمام ظاہری آلودگیوں سے صاف ستھرا بناتا ہے۔ پھر پاکیزہ اور حلال لباس مہیا کرتا ہے۔ ایک پاک و صاف جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ ایسی جگہ جو غصب شدہ نہ ہو۔ یہی بات وضو کے پانی کے حصول میں بھی مدِنظر ہوتی ہے۔ گویا وہ نماز سے پہلے حقوق العباد کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نیت باندھتا ہے تو کہتا ہے ''قربۃً اِلی اللہ'' یعنی وہ اپنے رب کے سامنے اقرار کر رہا ہوتا ہے کہ ''بارِ الٰہا! میں ہر قسم کے طمع و لالچ سے ماوریٰ ہو کر صرف اظہارِ عبدیت کیلئے تیرے حضور حاضر ہوں۔ کیونکہ میری سماعتوں سے تیری یہ آواز مسلسل ٹکرا رہی ہے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ ۱۴)

میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری بندگی کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔

وضو، اقامتِ صلواۃ، نمازوں میں تعددِ رکعات اوران رکعتوں میں سورہ فاتحہ اوردیگر اذکار کی تکرار، تکرارِ لفظی نہیں بلکہ انسان کی داخلی شخصیت کو صالح بنانے کی عملی مشق ہے۔ جوصفائی، پاکیزگی، صداقت، پابندی اوقات، صبراور مداومتِ عمل جیسی اعلیٰ ترین صفات کا خوگر بنا دیتی ہے۔ سورۃ فاتحہ کو بار بار پڑھنے سے درج ذیل باتیں ذہن نشین ہوجاتی ہیں۔

☆ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥ تیرا رب ہی تیرااور سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ لہٰذا اس پیٹ کی خاطر بدحواس ہوکر جنونِ شکم سیری میں درندہ نہ بن جا بلکہ ایمان باللہ کے تقاضوں کے مطابق کسبِ حلال کر، اجتنابِ حرام کر، اللہ کے عطا کردہ مال میں سے حقوق الناس کو ادا کر۔

☆ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ اگر تو یہ کرے گا تو یقیناً اپنے رب کو نہایت رحمٰن اور رحیم پائے گا۔

☆ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ ہر کام سے پہلے سوچ لو، ہر بات کو پہلے تول لو، تمہیں ہر عمل کا حساب یومِ قیامت کو دینا ہے۔ اب اچھی طرح سے دیکھ لو، کاروبار میں، لین دین میں، قول وقرار میں تمہارا عمل غلط نہ ہونے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس دن جواب دینا مشکل ہوجائے۔ اور تو ناقابلِ معافی عذاب میں مبتلا ہوجائے۔ امام سجاد علیہ السلام نمازِ میں جملہ ''مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' کی اتنی تکرار کرتے تھے دیکھنے والا یہ خیال کرتا تھا کہ شاید ان کا وقت قریب ہے۔

☆ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ٥ اے نمازی اپنے دل سے پوچھ کہ تو اطاعتِ خدا

میں کتنا فرمانبردار ہے؟ اور اس فرمانبرداری میں کتنا خالص ہے؟ اس اخلاص و فرمانبرداری کیلئے اللہ سے استعانت طلب کر کیونکہ خالص اطاعتِ الٰہی ایک مشکل امر ہے۔ جبکہ اطاعتِ شیطانی آسان بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

حضرت پیغمبرِ اسلام فرماتے ہیں کہ جس وقت نمازی غیرِ خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو خدا فرماتا ہے

'' کہاں کا ارادہ ہے؟ آیا میرے علاوہ تمہارا کوئی اور پروردگار ہے؟ میرے سوا کوئی پناہ گاہ ہے؟ میرے علاوہ کوئی بخشنے والا ہے جس سے دل لگالیا ہے۔ اگر تو نے میرا خیال رکھا تو تو میری اور میرے فرشتوں کی توجہ کا مرکز قرار پائے گا۔

☆ اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ٥ یہاں تک پہنچتے پہنچتے نمازی کی اس قدر اصلاح ہو چکی ہوتی ہے کہ اب وہ کوئی خودغرض اور خودخواہ انسان نہیں رہا بلکہ وہ اپنی ذات کے حصار کو توڑ کر پوری انسانی برادری کو اپنی نیک خواہشات اور دعاؤں میں شامل کرلیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رحمٰن و رحیم پروردگار ہم سب انسانوں کو سیدھی راہ کی ہدایت کر۔

☆ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ٥ نماز کے تربیتی اثرات مزید بڑھتے ہیں تو نمازی کی پسند و ناپسند، دوستی و دشمنی (تولّی وتبرا) کا میعار ذاتِ الٰہی قرار پاتی ہے اور وہ دعا مانگتا ہے ''بارِالٰہا! ہم سب انسانوں کو اُن کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا اور اُن کے راستے سے ہم بیزار ہیں جو گمراہ، ضال اور مضل ہیں۔ ہمیں ان کے راستے پر نہ چلا۔ پوری نوع انسانی

کیلئے خیر خواہی کا یہ احساس بیدار کر کے نماز ایک ہمدرد اور ذمہ دار فرد معاشرے کو عطا کرتی ہے کہ اب جا کر انہی نیک جذبات کے تحت اپنے معاشرتی عمل کو سرانجام دے۔ لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کر اور ان کے دکھ درد کو بانٹ۔

- یہی نماز معراجِ مومن ہے۔ الصلوٰۃ معراج المومن (حدیث)
- یہی نماز معیارِ انسانیت ہے۔ الصلوٰۃ میزان (حدیث)
- یہی نماز اللہ سے کیا گیا وعدہ ہے۔ الصلوٰۃ عہد اللہ (حدیث)
- یہی نماز شیطان کیلئے بھاری گرز ہے۔ الصلوٰۃ مدحرۃ للشیطان (حدیث)
- یہی نماز پیغمبرؐ کی آنکھوں کا نور ہے۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (حدیث)

اقامتِ صلٰوۃ سے کیا مراد ہے؟

قرآن مجید نے کئی بار نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا مطلب صرف اتنا نہیں کہ صرف اوقات کی پابندی کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے۔ اور بس، بلکہ مدعا یہ ہے کہ نماز کو دوام بخشا جائے اور اس کے فروغ اور اشاعت کیلئے اقدامات کئے جائیں۔ تا کہ عالمِ بشریت اس کے معنوی اور مادی برکات سے ابدالآباد تک بہرہ مند ہوتا رہے۔ اور اس امانت کی ادائیگی کا حق ادا ہو سکے جس کا وعدہ انسان نے اپنے رب سے روزِ آفرینش میں ہی کر لیا تھا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت علی علیہ السلام کے چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا اور آپؑ کانپنے لگ جاتے اور فرماتے

”نماز کا وقت آ گیا ہے اس امانت کا وقت آ گیا جس کو خدا نے زمین، آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن اس کو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے۔“

اقامتِ صلوٰۃ اور ادائیگی امانت کا فریضہ اس وقت پورا ہو سکتا ہے جب ہم اپنے بہترین

وسائل اور بہترین صلاحیتوں کے ساتھ فروغِ نماز کیلئے اقدامات کریں۔ گھر میں، محلّہ میں، شہر میں اور مملکتِ خداد میں وہ ماحول پیدا کریں کہ جس سے عوام الناس اس عہدِ الٰہی اور امانتِ خداوندی کی ادائیگی کی اہمیت اور افادیت کی طرف متوجہ ہوں۔ ان کے دلوں میں رغبتِ نماز کے جذبات پیدا ہوں اور وہ پوری آمادگی اور اشتیاق کے ساتھ نماز بجالائیں۔ اِدھر آذان کی آواز گونجے اُدھر پوری امتِ اسلام "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِاللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ" کی عملی تصویر بن جائے۔ تمام کاروبارِ دنیا بند ہو جائیں اور پوری امت اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

نماز وہ فریضہ ہے جس کی ادائیگی کا حق افراد سے لے کر صاحبانِ اقتدار پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ سعادت مند ہیں وہ حکمران کہ جن کو خدا جب اقتدار بخشتا ہے تو وہ یہ امور انجام دیتے ہیں۔ یہ وہ سعادت مند لوگ ہیں:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ — اگر ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ

☆ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ — نماز قائم کرتے ہیں

☆ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ — زکواۃ دیتے ہیں

☆ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ — اور نیکی کا حکم دیتے ہیں

☆ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ — اور برائی سے روکتے ہیں۔ (سورہ حج ۴۱)

حکمران تو ان فرائض سے یکسر غافل ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم اپنے گھر کے اندر تو یہ فضا پیدا کر سکتے ہیں۔ جب ہم تعمیرِ مکان کیلئے نقشہ تیار کرتے ہیں تو اس میں ہم

ڈرائنگ، ڈائننگ، بیڈرومز اور ٹی وی لاؤنج کا اہتمام ضرور کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس نقشے میں عبادتِ خدا کیلئے بھی مخصوص جگہ کی گنجائش نکال لی جائے۔ جہاں والدین بچوں کے ساتھ بیٹھ کر عبادات بجالائیں۔ نماز اور دیگر عبادات کی کچھ دیر کیلئے بچوں کو تعلیم دیں اور ان کی عملی مشق بھی کرائیں تو کیا یہ مکان رشکِ آسمان نہ بن جائے گا؟ کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ روزانہ کتنے فرشتگانِ رحمت اس گھر پر نازل ہونگے اور ارواحِ آئمہ علیہم السلام اس میں آکر کس قدر خوشنود اور شادمان ہوں گی؟ کیا مظلومِ کربلا کی مقدس اور طیب روح اس گھر پر سلام وتحیہ نہ بھیجتی ہوگی کہ جن کی ''اقامتِ صلواۃ'' کی گواہی ہم زیارتِ وارثہ میں ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

اشهد انك قداقمت الصلوة : (مولاؑ) میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز قائم کی

وا تيت الزكواة	اور زکواۃ دیتے رہے
و امرت بالمعروف	آپؑ نے نیک کاموں کا حکم دیا
ونهيت عن المنكر	اور بُرے کاموں سے منع فرمایا
و اطعت الله و رسوله	آپؑ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہے
حتى اتلك اليقين	یہاں تک کہ آپؑ شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور آئمہ علیہم السلام کی خصوصی نظرِ عنایت سے اس گھر سے ہم وہ نسل تیار کر سکتے ہیں جو اسلام کو مطلوب ومقصود ہے۔ ایک ایسی نسل جو اِن اوصاف کی حامل ہوگی۔

☆ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَ تِھِمْ خَاشِعُوْنَ : (سورۃ المومنون ۲)

خشوع وخضوع کے ساتھ نماز بجا لانے والی نسل

☆ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (سورہ المومنون ۹)

اوقاتِ نماز کی حفاظت کرنے والی نسل

☆ اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلاَ تِھِمْ دَائِمُوْنَ (سورہ معارج ۲۳)

نماز کو دوام دینے والی نسل

☆ رِجَال ٌ لّاَ تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِاللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ:(سورہ نور ۳۷)

ایسی نسل جن کیلئے تجارت اور خرید وفروخت ذکرِ خدا اور قیامِ نماز میں رکاوٹ نہیں بن سکتی ۔

☆ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا : (سورہ مریم ۵۸)

ایسی نسل کہ جب رب رحمان کی آیات تلاوت ہوں تو وہ روتے روتے سجدے میں گر جائیں ۔

☆ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَاماً (سورہ فرقان ۶۴)

ایسی نسل جو اپنے پروردگار کے حضور سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گذار دے ۔

اس مفہوم میں اقامتِ صلواۃ ایسی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ حضرت ختمی ؐ مرتبت کو حکم

ہو رہا ہے۔ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ ۱۳۲)

اپنے اہل وعیال کو حکم دو اور اس سلسلے میں تمام مصیبتوں پر ثابت قدم رہو۔

یہ تاکیدی حکم نماز کی اہمیت پر دلیل ہے ۔ پھر قرآن حضرت اسماعیلؑ کی

توصیف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ (سورہ مریم ۵۵)

وہ اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کیا کرتے تھے۔

یہ نماز کا قیام اور دوام ہی مطلوب تھا جو حضرتِ خلیل اللہ اپنے نونہال لختِ جگر کو

اور اپنی رفیقہء حیات کو بے آب گیاہ جنگل میں اور ایسی وادی میں جس میں سبزہ تھا نہ

زراعت ۔تن تنہا چھوڑ کر چلے آئے ۔قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے ۔

رَبَّنَآ اِنِّىٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

اے ہمارے پالنے والے میں (ابراہیم) نے اپنی اولاد میں سے بعض کو

تیرے محترم گھر کے نزدیک ایک بنجر وادی میں بسایا ہے ۔

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (سورہ ابراہیم ۳۷)

''اے ہمارے رب ایسا میں نے اس لیے کیا ہے کہ وہ نماز قائم کریں''

یہ وہی ذریت اور اولاد ہے جن کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے خدا سے دو سوال کئے ۔ پہلا سوال اس وقت کیا جب آپ کو امامت عطا ہوئی تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں دستِ سوال بلند کیا مِنْ ذُرِّيَّتِي اور دوسرا سوال آپ نے اپنی نسل میں اقامتِ نماز کیلئے ان الفاظ میں کیا۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِي (سورہ ابراہیم ۴۰)

''پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی ذریت اور اولاد کیلئے امامت اور نماز کیلئے خواہش کرنا جہاں ان کی اہمیت کو واضح کرتا ہے وہاں ان کے باہمی گہرے تعلق کی بھی دلیل ہے اور یہی بات سیرتِ آئمہ اہلِ بیت علیہ السلام سے ثابت ہے۔ صفین کا میدان جنگ ہو یا کربلا کا کارزار دونوں جگہوں پر نماز اور امامت ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ باپؑ اس وقت جب جنگ عروج پر تھی بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتا تھا۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے سبب دریافت کیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ''عبداللہ میں اس لیے دیکھتا ہوں کہ نماز کا اوّل وقت نہ گذر جائے'' ابن عباس کہتے ہیں مولا اس وقت نماز؟ فرمایا ''ہاں عبداللہ اسی نماز کے قیام کیلئے تو جنگ کر رہا ہوں۔''

کربلا میں اسی علیؑ کے فرزند حسین علیہ السلام نے عین شباب جنگ میں جب نیزے اور تلواریں چل رہی تھیں مصلیٰ نماز بچھا دیا اور ابوثمامہ صیداوی کو دعا دی ''خدا تمہیں بروز قیامت نمازیوں میں محشور فرمائے کہ تو نے مجھے نماز یاد دلائی'' یوں امام اور نماز کا ابدی اور سرمدی ساتھ کبھی نہ ٹوٹا، امامت اور نماز کا یہ ربط اس امر کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ اس تختۂ زمین پر قیادت وسیادت کا حق اُنہی کا ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور اُن سے سعادتیں چھین لی جاتی ہیں۔ جو نماز کو غیر اہم سمجھ کر ضائع کرتے ہیں۔ سورہ مریم آیت ۵۹ میں ارشاد الٰہی ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے چل پڑے۔ عنقریب وہ ہلاکت سے دوچار ہو جائیں گے''

قوموں کی ہلاکت کا اوّلین سبب ضیاع نماز ہے اور دوسرا شہوات کی پیروی ہے کیونکہ جب وہ شے نہ رہی جس نے فواحشات ومنکرات سے روکنا تھا تو شہوات سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ نماز ضائع ہو گئی تو سب کچھ برباد ہو گیا۔ نماز ہی تو وہ قوت ہے جو منہ زور خواہشات کا رخ

رضائے الٰہی کی طرف موڑ دیتی ہے جو مومن کی زندگی کا نصب العین ہے۔

فلسفہ نماز: محمد سنان نے بذریعہ مراسلہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے فلسفہ نماز دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے تحریر فرمایا:

''نماز کی مصلحت یہ ہے کہ اس میں:

☆ خداوندِ عالم کی ربوبیت کا اقرار اور غیرِ خدا سے اظہارِ بیزاری ہے۔

☆ خدائے جبار کی بارگاہ میں فروتنی اور انکساری کے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔

☆ اپنے گناہوں کے اعتراف کے ساتھ معافی کی درخواست ہے۔

☆ خداوند عالم کے عظمت کے اظہار کیلئے ہر روز چہرہ زمین پر رکھنا ہے۔

☆ (نماز کے ذریعے سے) بندہ اللہ کو یاد رکھتا ہے اور اسے فراموش نہیں کرتا اور تکبر کا شکار نہیں ہوتا ہے۔

☆ وہ ہمیشہ خدا کے سامنے سر جھکائے رہتا ہے اور اس سے دین و دنیا میں اضافہ کا طلبگار رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ چیزوں سے اسے نفرت ہو جاتی ہے۔ دن رات ذکرِ الٰہی کی پابندی ہوتی ہے تا کہ اپنے آقا، مدبر اور خالق کو فراموش کر کے غرور اور سرکشی کا شکار نہ ہو۔ بندہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے کی وجہ سے گناہوں سے نفرت کرتا ہے اور یوں ہر قسم کے فساد سے بچ جاتا ہے۔''

دین و دنیا میں سیادت و سعادت ان لوگوں کونصیب ہو تی ہے جو نماز کو ادا کرتے ہیں ۔نماز کو قائم کرتے ہیں ۔اوقاتِ نماز کی پابندی کرتے ہیں اوراس کی ادا ئیگی کے وقت حقیقتِ نماز، آداب اور افعال نماز کی طرف کاملاً متوجہ رہتے ہیں۔

حقیقتِ نماز: آلِ محمد علیہم السلام کے ایک عالم فرد سے حقیقتِ نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا:

''نماز اللہ اور بندہ کے درمیان پیوندِ رحمت ہے۔بندہ کی طرف سے خدا کے ساتھ طلب ووصال ہے۔جو بندہ نیت باندھ کر نماز میں داخل ہو جاتا ہے، عظمت و جلال الٰہی کو مدِ نظر رکھ کر تکبیر کہتا ہے۔ترتیل کے ساتھ قرأت کرتا ہے۔رحمت و رغبت کے ساتھ سلام بجا لاتا ہے۔خوف و رجاء کے ساتھ نماز سے فارغ ہو کر پلٹتا ہے تو اس نے نماز کو حقیقی طور پر ادا کر دیا۔

آدابِ نماز: پھر پوچھا گیا مالادب الصلاۃ نمازِ کے آداب کیا ہیں؟

تو فرمایا ''دل کو حاضر رکھنا، اعضاء و جوارح کو دوسرے کاموں سے باز رکھنا، اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلت کے ساتھ کھڑا ہونا، بہشت کو اپنے دائیں طرف ،جہنم کو اپنے بائیں طرف، پلِ صراط کو سامنے اور خدا تعالیٰ کو اپنے آگے جاننا ہے۔

افعالِ نماز: فلسفہ نماز، حقیقتِ نماز اور آدابِ نماز جان لینے کے بعد اگر نماز کی

ظاہری صورت کو بھی محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی نماز کے مطابق بنالیا جائے تو نماز میں ایک امتیازی شان پیدا ہو جائے گی ۔اس کے معنوی حسن میں مزید نکھار آجائے گا اور اس کے تربیتی اثرات بھی دو چند ہو جائیں گے ۔حضرت امام صادق علیہ السلام قیام و قیود، رکوع و سجود کس طرح بجالاتے تھے ۔ ملاحظہ ہو حماد بن عیسیٰ اور امام علیہ السلام کے درمیان نماز کے بارے میں مکالمہ ۔ یاد رکھئے ! حماد بن عیسیٰ صادقِ آلِ محمد کے جلیل القدر صحابی تھے ۔

امام علیہ السلام: کیوں حماد نماز پڑھنا آتی ہے۔

حماد: میں نے حریز کی کتاب جو نماز کے بارے میں ہے اسے حفظ کر رکھا ہے۔

امام علیہ السلام: اچھا کوئی حرج نہیں کھڑے ہو کر نماز پڑھو ۔

حماد نے امام علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کی ۔

امام علیہ السلام: حماد تمہیں نماز پڑھنا نہیں آتی ۔تم میں سے کسی شخص کیلئے کتنی بڑی بات ہے کہ ساٹھ یا ستر برس کی عمر ہو جائے اور وہ ایک نماز بھی اس کے حدود و قواعد کے ساتھ مکمل طور پر ٹھیک نہ پڑھے ۔

مجھے اپنے دل میں ذلت سی محسوس ہوئی اور عرض کیا میری جان آپ پر نثار پھر

مجھے نماز تعلیم فرمائیے۔

قیام: اب امامؑ قبلہ کی طرف رخ کرکے سیدھے کھڑے ہو گئے اپنے دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر اس طرح ڈال لیے کہ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ دونوں پیروں کے درمیان تین انگلیوں کے برابر فاصلہ قرار دیا۔ پیروں کی سب انگلیاں قبلہ رخ تھیں۔ فروتنی اور عاجزی کا ایک عالم تھا جو کہ نمایاں تھا۔ اب آپ نے تکبیرۃ الاحرام کہی۔ پھر سورہ حمد اور سورہ قل ھو اللہ کو بہت روشن طریقہ پر حروف کو نمایاں کرکے تجوید کے ساتھ پڑھا پھر ذرا سا تامل کیا اتنا کہ جیسے سانس لیتے ہیں، اسی قیام کی حالت میں آپ نے اللہُ اکبر کہا۔

رکوع: پھر آپ نے رکوع کیا اور اپنے ہتھیلیوں سے گھٹنوں کو پر کرلیا۔ اس حالت میں آپ کی انگلیاں کشادہ آپ نے رکوع میں اپنے گھٹنوں کو پیچھے کی طرف دبالیا یہاں تک کہ آپ کی پشت اتنی استوار ہوگئی کہ پانی یا تیل کا قطرہ گرایا جائے تو اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ اس کے ساتھ آپ نے اپنی گردن کو آگے بڑھایا اور آنکھوں کو بند کرلیا پھر آپ نے ترتیل کے ساتھ تسبیح پڑھی اور کھڑے ہو گئے۔

قیام بعدِ رکوع: جب اطمینان کے ساتھ قیام ہوگیا تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه ، پڑھا پھر اسی حالتِ قیام میں تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھ چہرے کے مقابل بلند کئے۔

سجدہ : پھر سجدہ کی طرف بڑھے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے سجدہ میں تسبیح پڑھی ۔ حالتِ سجدہ میں آپ نے کوئی جزِ بدن دوسرے جزو پر نہیں رکھا ۔ آپ نے جسم کی ہڈیوں کو زمین پر رکھ کر سجدہ کیا ۔ پیشانی ، دونوں ہتھیلیاں ، دونوں گھٹنے اور پیروں کے دونوں انگوٹھے اور ناک ، وہ ساتوں جز واجب ہیں اور ناک کا زمین پر رکھنا سنت جس کا نام ادغام ہے ۔

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا: پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا ۔ جب اچھی طرح بیٹھ گئے تو کہا اللّٰہُ اکبر ، اس طرح بیٹھے کہ بائیں پہلو پر زور دیا اور داہنے پاؤں کی پشت کو بائیں پاؤں کے تلوے پر رکھا ، ذکر زبان پر جاری کیا بعد ذکر بیٹھے بیٹھے اللّٰہُ اکبر کہا ۔

دوسرا سجدہ: دوسرا سجدہ کیا جو پہلے سجدے میں کہا تھا وہی اس سجدہ میں بھی کہا ۔ آپ نے جسم کے کسی حصہ کیلئے دوسرے حصے کا سہارا نہیں لیا ، نہ رکوع میں اور نہ سجدہ میں اور آپ نے ہاتھوں کو اس طرح رکھا تھا جیسے پرندہ کے بازو ہوتے ہیں اور ہاتھوں کو سجدہ میں زمین پر ویسے نہیں رکھا جیسے سجدہ شکر میں رکھتے ہیں ۔ اس طرح آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا:

''اے حماد اس طرح نماز پڑھا کرو اور نماز میں اِدھر اُدھر نہ دیکھو ۔

ہاتھوں اور انگلیوں کو بے کار جنبش نہ دو''

خداوند کریم ہم کو نماز ادا کرنے ،اس کے اوقات کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

مالکم (تمہیں کیا ہو گیا ہے)..............؟

تمھیں کیا ھو گیا ھے۔۔۔۔۔؟

برائے لالہ و گل اجنبی ہے فصلِ بہار
خزاں کے دستِ تصرف میں آ گیا ہے چمن

عالمِ اسلام بالعموم اور وطنِ عزیز بالخصوص بدامنی و بے چینی، انتشار وافتراق، قحط وانحطاط کے بحرانوں کی زد میں ہے۔اس بحرانی کیفیت میں عام مسلمان پریشان وسرگرداں ہے۔بھوک، ننگ، افلاس، ثقافتی یلغار اور دہشت گردی نے ارضِ اسلام کو اپنے نرغے میں جکڑ رکھا ہے خوف وہراس سائے کی طرح ہر فرد کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ روزافزوں بڑھتی ہوئی مہنگائی نے جسموں سے خون نچوڑ لیا ہے۔فاقوں پر مجبور عوام کیلئے روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے۔اشیائے خوردونوش کا قحط ہو تو موت فرداً فرداً واقع ہوتی ہے۔اگر احساس اور امید کا قحط پڑ جائے تو پورا معاشرہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔فرد فوت ہو تو کوئی نہ کوئی آنکھ اشک فشانی کیلئے موجود ہوتی ہے۔کچھ زبانیں نالہ وفریاد کرنے کیلئے باقی ہوتی ہیں۔مرگِ انبوہ یا مرگِ معاشرہ پر نہ تو کوئی آنسو بہاتا ہے اور نہ کوئی نوحہ پڑھتا ہے۔یہ احساس کا قحط نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ ماں اپنے بچوں کو فروخت کرنے کیلئے آمادہ ہے۔جس سماج میں ممتا مرجائے، وہاں بچتا کیا ہے؟ یہ امید کی موت نہیں تو کیا ہے؟ کہ آئے روز خودکشیوں کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔پھر اوپر سے نام نہاد اسلام پسند، خودکش دہشت گردوں نے کشت وخون کا بازار گرم کر رکھا ہے۔اور دعویٰ یہ ہے کہ ''اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْن''

امن وسلامت روی کے دین کے نام پر فساد فی الارض......؟

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق

بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

امید کب مرتی ہے؟اس میں دو باتیں بہت اہم ہیں پہلی یہ کہ جب کوئی قوم مجموعی طور پر بدکرداری اور بداعمالی میں مبتلا ہو جائے

''مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَۃِ رَبِّہٖ اِلَّا الضَّالُّوْن''

سوائے بدکردار اور گمراہ لوگوں کے کوئی اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ ہے نا خلف جانشینی ، جب کسی قوم و معاشرے میں نا خلف وارث بن بیٹھیں تو قدرت اپنی فیاضیاں روک لیتی ہے ۔ان فیاضیوں اور کرامتوں کی بحالی کی اُمید اس وقت تک نہیں کی جاسکتی جب تک نا خلف اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے

''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئاً''(مریم 60-59)

''پھر اس کے بعد ایسے نا خلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشات کے پیچھے چل پڑے پس وہ عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے ،وہ جنت میں داخل ہونگے اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔''

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''احمق ہے وہ شخص جو ہوائے نفس کی پیروی کرے اور خدا سے امید کی تمنا کرے''

اس ارضِ خداداد کو بھی ایسے نا خلف وارث ملے جو خواہشات کے بندے تھے۔

شہوات کے پیروکار تھے نتیجتاً خودتو شادباد ہو گئے مگرعوام کیلئے ابھی تک نظام کاتعین نہیں ہوسکا تو منزل مراد کی بات کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے ۔ان ناخلفوں کی بات سے یاد آیا کہ ایک خاندان میں چینی کا ایک گلدان نسل درنسل ورثہ کے طور پر منتقل ہورہا تھا ۔ ہرنسل کے تمام فرد اسلاف کی اس وراثت کی دل و جان سے حفاظت کرتے اور اگلی نسل کو منتقل کردیتے ۔پھر ایک دن اسی خاندان کے ایک لااُبالی وارث نے بوڑھے باپ سے اس گلدان کے متعلق پوچھاتو بوڑھے باپ نے بیٹے کو بتایا کہ یہ صرف گلدان ہی نہیں بلکہ ہمارے خاندان کی عظمت ووحدت کی علامت ہے تمہارا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کرواور اسکواس کی صحیح حالت کے ساتھ اگلی نسل کو منتقل کردو ۔نا خلف بیٹے نے گلدان اٹھایا اور فرش پر پٹخ دیا اور گلدان ٹوٹ گیا ۔اب زیرک بوڑھے نے کہا بیٹا ! ذمہ داری کا دورختم ہوا اور ندامت کا کبھی نہ ختم ہونے والا دورشروع ہوگیا ہے ۔اب اس کیلئے تیار رہو۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔انحطاط وزوال کی اس حالت پر کلمہ استرجاع ہی پڑھا جاسکتا ہے۔لیکن مسائل کا حل بھی یہی آیتِ قرآنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توبہ کے ساتھ رجوع کیا جائے ۔اپنے رویوں پر نظر ثانی کی جائے ۔اصلاحِ اعمال کی طرف دھیان دیا جائے ۔پوری قوم کو معصیت کے دائرے سے نکال کر اطاعت الٰہی کے دائرے میں لایا جائے ۔حُبِ نفس اور حُبِ دنیا کو حُبِ پروردگار سے بدل دیا جائے کہ یہی ایمانی معاشرے کی نشانی ہے ۔وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّالِلّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کے ساتھ توبہ واستغفار کیا جائے تو تمام بند دروازے کھل سکتے ہیں۔زمین اور

آسمان اپنے تمام خزانے امتِ مسلمہ کے قدموں میں ڈال سکتے ہیں ۔شرط اخلاص اور صدقِ عمل کی ہے ۔خدائے غفار نے حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی عالم انسانیت کو پیغام دیا ہے کہ ایک کام تم کرلوتو بدلے میں زمین وآسمان اپنی ساری مہربانیاں تم پر نچھاور کردیں گے ۔وہ ایک کام ہے استغفار،توبہ ۔فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔
اور کہا(نوح نے)اپنے پروردگار سے معافی مانگو وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا ہے ۔
اور وہ معاف کرنے والا رب تم پر یہ نعمتیں نازل کرے گا۔

☆يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۔وہ تم پر آسمان سے بارشیں برسائے گا۔

☆وَّيُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ ۔وہ اموال اوراولاد کے ذریعے سے تمہاری مدد کرے گا۔

☆وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا۔ تمہارے لئے باغات بنائے گااور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا۔

تم نیت کی صداقت اور اعمال کی درستگی کے ساتھ استغفار کرو۔کریم اللہ اپنی نعمتوں کی بارش برسائے گا۔ زمین اپنی آغوش رحمت تمہارے لیے وا کردے گی ۔تمہارے مال واولاد میں برکت وفراوانی ہوجائے گی ۔

مَالَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔(سورہ نوح ۱۳)
تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے ؟

اگر اب بھی ہم خدا کی طرف نہیں پلٹتے ۔اپنے طور طریقے اپنی عادات وخصائل، اپنی روش ورفتار کو نہیں بدلتے ہیں اور اسی طرح حُبِ نفس اور حبِ دنیا میں گرفتار رہتے ہیں،تو اُمید زندہ نہیں ہوگی ۔احساس مردہ ہی رہے گا۔ندامت و پشیمانی کا دور کبھی ختم نہ

ہوگا۔ابوالکلام آزاد نے اس فلسفہ کو تمثیلی انداز سے خوبصورت الفاظ میں سمجھایا ہے۔
اپنی کتاب ''غبارِ خاطر'' میں لکھتے ہیں
''کل دوپہر کو اس طرف سے گذر رہا تھا کہ یکا یک اس شاخِ بریدہ سے پاؤں ٹکرا گیا۔
میں رک گیا اور اسے دیکھنے لگا، بے اختیار شاعر کی حسنِ تعلیل یاد آ گئی۔

قطع امید کردہ نہ خواہد نعیم دہر
شاخِ بریدہ رانظرے بر بہار نیست

میں سوچنے لگا کہ انسان کے دل کی سرزمین کا بھی یہی حال ہے۔اس باغ میں
بھی امید و طلب کے بے شمار درخت اگتے ہیں اور بہار کی آمد آمد کی راہ تکتے رہتے ہیں۔
لیکن جن ٹہنیوں کی جڑ کٹ گئی۔ان کیلئے بہار و خزاں کی تبدیلیاں کوئی اثر نہیں
رکھتیں۔کوئی موسم بھی انہیں شادابی کا پیام نہیں پہنچا سکتا''۔

ٹہنی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے

ایک ٹہنی جڑ سے کٹنے کے بعد شادابی کی اُمید نہیں کر سکتی تو پورا انسانی معاشرہ اپنی
اصل یعنی ذاتِ باری تعالیٰ سے کٹ کر فلاح کی امید کیسے کر سکتا ہے؟ تلخی آلام کا واحد
حل ''فَفِرُّوا اِلَى اللّٰہ'' ہے۔وحشت و دہشت کے اس ماحول پر نظر ڈالتے ہیں تو یوں
محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم اصحابِ اخدود کے دور سے گذر رہے ہیں۔جن کا تذکرہ سورہ
بروج میں ہوا ہے۔
''اہلِ حبشہ میں خداوندِ کریم نے ایک نبی مبعوث کیا۔جب اس نبی نے لوگوں

کو دعوتِ توحید دینا شروع کی ،تو کافر و مشرک صاحبانِ اقتدار و اختیار نے اس دعوت کو اپنے اقتدار کیلئے خطرہ جانا اور برحق نبی کے پیروکاروں کو ایذائیں دینا شروع کر دیں اور اعلان کر دیا جو نبی کے دین پر ہوگا، اس کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے گا۔ بہت سارے لوگ اللہ کے نبی سے برگشتہ ہو گئے ۔سوائے دس کامل الایمان افراد کے جن میں ایک عورت تھی اور اس کا چھوٹا بچہ بھی ۔ان دس افراد کیلئے خندق کھودی گئی ۔اس میں آگ جلائی گئی اور خدا کے ماننے والوں کو باری باری آگ میں ڈالنا شروع کر دیا ۔عورت کی باری آئی تو ماتا نے حسرت بھری نظر سے اپنے معصوم بچے کو دیکھا ۔قدرت الٰہی سے بچہ گویا ہوا اور ماں سے کہا ''اے مادرِ گرامی کچھ خوف نہ کرو مجھے لے کر آگ میں کود جاؤ'' یوں صبر و استقامت کے کوہِ گراں آگ و خون کا دریا عبور کر کے لقاء اللہ کی منزل پر فائز ہو کر ہمیشہ کیلئے زندہ و جاوید ہو گئے ۔ان مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ایک خاص ملکوتی روح عطا کرتا ہے جو ان کو ثباتِ قدم بخشتی ہے ۔اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ۔

جو درپیش ہے وہ یا تو امتحان اور آزمائشِ الٰہی ہے یا پھر شامتِ اعمال ۔خواہ کچھ ہو کامیابی انا الیہ راجعون میں ہے۔

''الم: کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان سے امتحان نہ لیا جائے گا'' (سورہ عنکبوت)

اگر یہ امتحان اور آزمائش ہے تو اس لیے کہ خالص ناخالص سے الگ ہو جائے ۔اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کے درمیان حدِ فاصل قائم ہو جائے ۔مومن اور منافق میں تفریق ہو جائے پھر اس فلسفہ آزمائش کے تحت جو جتنا عالی مرتبت، اس کیلئے اتنا کڑا امتحان ۔

پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا گیا کہ ''دنیا میں سب سے زیادہ آزمائشوں میں کون مبتلا ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ آزمائش انبیاءؑ کی ہوتی ہے۔ان کے بعد ان افراد کی جو فضیلت میں انبیاءؑ کے بعد ہیں۔اس ترتیب سے مومن ایمان اور حُسنِ عمل کی بدولت مصائب میں مبتلا رہتا ہے۔جس کا ایمان صحیح اور عمل نیک ہو اس کی مصیبت میں سختی ہوتی ہے،جس کا ایمان ناقص اور عمل کم ہو اس کی آزمائش بھی قلیل ہوتی ہے۔''

جابر جعفی نے حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام سے پوچھا ''آپ کا دورِ اقتدار کب آئے گا؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا افسوس ،افسوس ہمارا دورِ اقتدار اس وقت تک نہ آئے گا جب تک تم لوگوں کو اس طرح چھان نہ لیا جائے جس طرح چھلنی میں اناج چھانا جاتا ہے۔پھر چھان لیا جائے گا اور پھر چھان لیا جائے گا۔یہاں تک کہ گرد وغبار سب دور ہو جائے گا اور صاف وشفاف باقی رہ جائے۔''

مولائے متقیان علیہ السلام کی دوررس نگاہیں ایسے دورِ ابتلاء وفتنہ کو دیکھ رہی تھیں۔اس کی پیشین گوئی آپ نے خطبہ نمبر ۱۴۹ میں فرمادی اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ ایک ذمہ دار اور کامل صاحبِ ایمان کا طرزِ عمل ان حالات میں کیا ہونا چاہیے۔

''اس دور کے بعد ایک فتنہ ایسا آئے گا جو:

i) امن وسلامتی کو تہہ وبالا کردے گا۔

ii) تباہی مچانے والا اور خلق خدا پر سختی کے ساتھ حملہ آور ہو گا۔

☆ تو بہت سے دل ٹھہراؤ کے بعد ڈانواں ڈول اور بہت سے لوگ ایمان کی سلامتی کے بعد گمراہ ہو جائیں گے۔

☆ اس کے حملہ آور ہونے کے وقت خواہشیں بٹ جائیں گی اور اسکے ابھرنے کے وقت راہیں مشتبہ ہو جائیں گی۔

جو اس فتنہ کیطرف جھک کر دیکھے گا وہ اسے تباہ کر دے گا اور جو اس میں سعی و کوشش کرے گا اسے جڑ سے اکھیڑ دے گا۔

لوگ آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح کاٹنے لگیں گے جس طرح وحشی گدھے اپنی بھیڑ میں ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹتے ہیں۔''

اس وقت
- ''اسلام کی رسی کے بل کھل جائیں گے۔
- صحیح طریق کار چھپ جائے گا۔
- حکمت و دانائی کا پانی خشک ہو جائے گا
- ظالموں کی زبان کھل جائے گی''۔

اس وقت اہل ایمان کی کیا حالت ہوگی؟ فرمایا!

- ''کچھ تو ان میں سے شہید ہونگے کہ جن کا بدلہ نہ لیا جا سکے گا۔
- اور کچھ خوفزدہ ہونگے جو اپنے لئے پناہ ڈھونڈھتے پھریں گے۔ انہیں قسموں اور ظاہری زبان کی فریب کاری سے دھوکا دیا جائے گا۔''

ایسے وقت میں اہل ایمان کو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا

☆ ''تم فتنوں کی طرف راہ دکھانے والے نشان اور بدعتوں کے سربراہ نہ بنو۔

☆ تم ایمان والی جماعت کے اصولوں اور ان کی عبادت و اطاعت کے طور طریقوں پر جمے رہو

☆ اللہ کے پاس مظلوم بن کر جاؤ ظالم بن کر نہ جاؤ

☆ شیطان کی راہوں اور سرکشی کے مقاموں سے بچو۔

☆ اپنے پیٹ میں حرام لقمے نہ ڈالو۔اس لیے کہ تم اس کی نظروں کے سامنے ہو جس نے معصیت اور خطا کو تمہارے لیے حرام کیا اور اطاعت کی راہیں آسان کر دی ہیں''۔

اگر معاشرے پر صالح افکار ونظریات کی حکمرانی ہو،صحت مند روایات کا چلن ہو۔اور اس کی پشت پر ایک مضبوط نظامِ عدل ہو تو کسی طرح کی انارکی اور انتشار کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں اور معاشرہ اس وقت جہنم کا گڑھا بن جاتا ہے جب نظریات فاسد ہو جاتے ہیں۔ہوس پرست اور عیش کوش افراد قانون و اخلاق سے برتر ہو جاتے ہیں۔آبادی کی غالب اکثریت پست و ذلیل خواہشوں میں ڈوب جاتی ہے تب شیاطین الانس ایک ہنگامہ محشر برپا کر دیتے ہیں۔ان کے حواری ہاؤ ہو کا غلغلہ کرتے ہیں۔انہی کی زبانوں میں شیطان گرجتا اور دھاڑتا ہے۔تملق پیشہ اور تکبر ونخوت کے پجاری پورے معاشرے کے گرد ایسا حصار قائم کر دیتے ہیں،جس سے عام انسانوں کی بصارت وبصیرت دونوں مسدود ہو جاتی ہیں اور وہ حال اور مستقبل دونوں سے مایوس ہو جاتے ہیں،لیکن مومن کہ جس کا دل نورِ ایمان سے روشن،جس کی روح زندہ،جس کا احساس تروتازہ،جس کی امید تابندہ،جس کا عمل پائندہ ہوتا ہے۔وہ وعدہ الٰہی پر کامل یقین کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہوئے پورے معاشرے کو روشن صبح کی نوید دیتا رہتا ہے۔وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔مومن کبھی

نا اُمید نہیں ہوتا بلکہ موت کی کال کوٹھڑی ہو یا صحنِ زنداں کی بے وطن زمین، وہاں سے بھی تابناک مستقبل کی بشارت دیتا ہے۔

اخی انت حروراء القیود	اخی انت تبلك السدود
اذا کنت باللّٰہ مستعصما	فماذایضرك کیدالعبید

اے میرے ہمدم تو طوق و سلاسل کے اندر بھی آزاد ہے
اے میرے دمساز! تو آزاد ہے رکاوٹوں کے باوجود
اگر تیرا اللہ پر بھروسہ ہے
تو ان غلام فطرت انسانوں کی چالیں، تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔

اخی ستبید جیوش الظلام	ویشرق فی الکون فجر جدید
فاطلق لروحك اشراقھا	تری الفجر یرمقنا من بعید

برادرم! تاریکی کے لشکر مٹ کر رہیں گے
اور دنیا میں صبح نوطلوع ہو کر رہے گی
تو اپنی روح کو ضوفشاں ہونے دے
وہ دور دیکھ صبح ہمیں اشارے کر رہی ہے

اخی ان ذرفت علّی الدموع	وبللت قبری بھامن خشوع
فاوقدلھم من رفاقی الشموع	وسیروابھا نحو مجد تلید

میرے ہمسفر! اگر تو مجھ پر آنسو بہائے
اور میری قبر کو ان سے تر کر دے

تو میری ہڈیوں سے ان تاریکی میں رہنے والوں کیلئے شمع فروزاں کرنا
اور ان شمعوں کو ابدی شرف کی جانب لے کر بڑھنا۔

اخی ان امت دون احبابنا   فروضات ربی اعدت لنا
واطیار هار فرقت حولنا   قطوبی لنا فی دیارالخلود

میرے رفیق! اگر میں احباب چھوڑ کر موت کی آغوش میں چلا بھی جاؤں تو کوئی خسارہ نہیں
میرے رب کے باغات ہمارے لیے تیار ہیں۔
ان کے مرغانِ خوشنوا ہمارے اردگرد محوِ پرواز ہیں
اس ابدی دیار کے اندر ہم خوش وخرم ہیں

اخی اننی ماسئِمت الکفاح   ولا انا القیت عنی السلاح
وان طوقتنی جیوش الظلام   فانی علی ثقة بالصباح

میرے دوست! معرکہ عشق سے ہرگز نہیں اکتایا
اور میں نے ہرگز ہتھیار نہیں ڈالے
اگر تاریکی کے لشکر مجھے چاروں طرف سے گھیر بھی لیں
تو بھی مجھے صبح کے طلوع ہونے کا پختہ یقین ہے۔

اب ایک اور پیغام، ان کیلئے جنہوں نے اسلام کے نام پر غارت گری اور خون ریزی کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ ذوالنون مصری کہتا ہے کہ میں ایک قریہ سے گذرا، تو دیوار پر چند اشعار لکھے ہوئے دیکھے، ان کو پڑھا تو سمجھ گیا، یہ اشعار کسی سید اور فرزند علیؑ کے ہیں۔ جس نے اشرار کے ظلم سے بھاگ کر اس آبادی میں پناہ لی ہے اور اپنے دردِ دل کو

دیوار پر تحریر کردیا ہے۔

''میں منیٰ، مشعرین اور زمزم کا فرزند ہوں

میں مکہ اور خانہ کعبہ کا فرزند ہوں

میرے جد محمد مصطفیٰؐ ہیں

میرے پدر بزرگوار وہ ہیں جن کی ولایت ہر مسلمان پر واجب ہے

میری مادرِ گرامی فاطمہؑ ہیں، جن کا نور ساری دنیا پر چھایا ہے اور حضرت مریمؑ کی ہم مرتبہ ہیں۔

نبیؐ کے نواسے حسنؑ اور حسینؑ میرے چچا اور میرے باپ ہیں

اور حسینؑ کے نو فرزند ولایت و عصمت کے درخشاں ستارے ہیں۔

ظلم و تشدد کے دباؤ اور گھٹن کے تنگ ماحول نے دنیا کی وسیع فضا چھوڑ کر اس تنگ گوشے میں مجھے پناہ لینے اور درو دیوار پر لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

اے! ان شعروں کے پڑھنے والے جان لے،

وہ مسلمان نہیں جس کے ہاتھوں سے

لوگ امن و سلامتی سے نہ رہ سکیں۔''
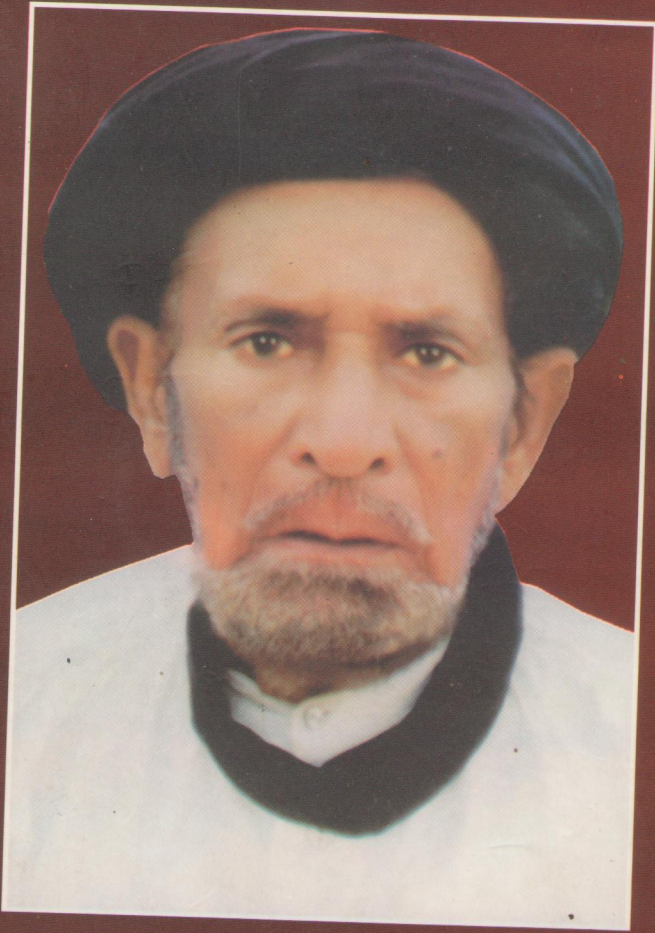
سید غلام رسول جو مہتاب حسین نقوی کے نام سے جانے اور پہچانے گئے قصبہ رنگ پور جنوبی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ۱۹۲۲ء میں متولد ہوئے۔ ابتدائی دینی و دنیوی تعلیم کے بعد جون پور (یوپی) چلے گئے۔ جہاں مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ فاضل نجف سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ مروجہ علومِ دینیہ میں دسترس حاصل کر کے مراجعت فرمائی تو قصبہ جاڑیانوالہ ضلع مظفر گڑھ کو اپنا مسکن قرار دیا اور ابلاغِ تعلیماتِ محمد وآل محمد علیہم السلام میں مشغول ہو گئے۔ علم و عمل سے بھرپور نقوشِ سیرت چھوڑ کر ۱۴ اگست ۲۰۰۶ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

خدا گواہ کہ اُن کے فراق میں کوثؔر
جو سانس آئی ہے وہ سوگوار آئی ہے